تحفۃ السالک

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست تحفۃ السالک

تحفۃ السالک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حـــــرف آغـــــا ز

الحمد لو لیه و الصلوة علی نبیّه و علی آله و صحبه اجمعین.

امابعد: ایک مسلمان پر جہاں نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ ضروری وفرض ہیں اور جھوٹ، دھوکہ دہی، رشوت، وسود جیسی برائیاں حرام ہیں، اسی طرح اس پر اخلاص، حب الٰہی، خوف الٰہی، صبر وشکر، اعتماد وتوکل علی اللہ، وغیرہ قلبی اعمال بھی ضروری ہیں اور حب مال، حب جاہ، کینہ، حسد، تکبر، ریا کاری وغیرہ روحانی برائیاں حرام ونا جائز ہیں۔ شریعت میں ظاہری اعمال کے احکام کے ساتھ باطنی اعمال کے احکام بھی آئے ہیں۔ اپنے آپ کو ان دونوں قسم کے احکام کا پابند بنانے کے لیے جس راستہ پر چلتے ہیں، اور وہ یقیناً صراطِ مستقیم ہے، اسی کو سلوک کہا جاتا ہے۔

زیرنظر رسالہ میں ''راہ سلوک'' کی ضرورت واہمیت کے ساتھ، اس راہ کے مسافرین کے لیے مختصر پروگرام ونظام اور اس راہ کی ضروریات ولوازمات، اور اس راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور پریشانیوں کو قرآن، حدیث اور بزرگانِ امت کے اقوال وارشادات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

اگرچہ اس مضمون کا بہت پہلے سے خیال تھا، مگر ہجوم افکار وکثرتِ کار کے باعث اس خیال کو عملی جامہ پہنایا نہ جاسکا تھا۔ مگر قریب میں اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ فرصت کا عطا فرمایا تو اس کو اس کام کے لیے غنیمت سمجھا، وہ یہ کہ جامعہ ''مسیح العلوم'' میں ششماہی امتحان کے بعد حسب معمول تعطیل ہوئی تو جامعہ کے استاذ مولوی آصف اقبال صاحب عمری نے ان کے گھر (گنگلیری، کرشنا گری) چلنے کی دعوت دی، تو ۵، ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ بروز منگل، گنگلیری حاضری ہوئی۔ دل باغ وبہار ہوگیا کہ اس چھوٹی سی آبادی کے گاؤں میں باغات اور کھیتوں، پہاڑوں اور جھیلوں

کے درمیان کھلی فضا اور خوش گوار موقعہ پر موصوف کا گھر واقع ہے، جو اپنی سادگی اور قدامت کے ساتھ ساتھ، صفائی، ستھرائی، سلیقہ مندی اور تہذیب و شائستگی کا نمونہ ہے۔ دو دن یہاں گذارنا تھا تو خیال ہوا کہ اس فرصت میں اُس خیال کہن کو لباس تازہ پہنا کر عملی شکل دیدوں۔ الحمد اللہ کہ اس رسالہ کا بنیادی مسودہ دو دن کے مابین مختلف اوقات میں جن کی مجموعی مقدار پانچ چھ گھنٹے ہوگی، تیار ہوگیا۔ پھر گھر واپسی کے بعد حوالجات وضروری تشریحات کے ساتھ اس کو مرتب کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ اس رسالہ کو مفید و نافع بنائے، اور ہم سب کو اپنے قرب و رضا کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ عفی عنہ
(جامعہ مسیح العلوم)

۵، جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ
۲۷، جولائی ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر مومن، قانون شرع کا پابند ہے

ہر مومن کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے اس بات کا مکلّف و پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اللہ تعالےٰ کے قانون اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ و طریقہ کے مطابق گذارے، اس کے بغیر چارہٗ کار نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾

[نساء: ۵۹]

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اور اولی الامر (یعنی علماء وحکام کی اطاعت کرو۔)

ایک جگہ اور فرماتے ہیں کہ:

﴿وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾

[احزاب: ۳٦]

(کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کردیں تو ان (مومنین) کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے، وہ کھلی گمراہی میں ہے)۔

ایک جگہ کامیابی ونجات کے اصول کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ [نور: ۵۲]

(اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور

تقوی اختیار کرتا ہے، ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں اور مومن کو خدا اور رسول کے احکام وفیصلوں کا پابند رہنا ضروری ہے۔ وہ آزاد نہیں ہے اور اسی اطاعت میں اس کی کامیابی پوشیدہ ہے۔

اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْن"(۱)

(تم میں سے کوئی (کامل) مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔

ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ:

"لایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ". (۲)

(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش، میری لائی ہوئی تعلیم کے تابع نہ ہو جائے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ ہیں ایک حرم میں الحاد یعنی ظلم کرنے والا، دوسرا اسلام میں رہ کر جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا اور تیسرا بغیر حق کے کسی مسلمان آدمی کے خون کا مطالبہ کرنے والا تاکہ اس کا خون بہائے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: ۵، مسلم: ۶۳، نسائی: ۴۹۲۷، ابن ماجہ: ۶۶، احمد: ۱۳۴/۲

(۲) مشکوۃ: ۳۰، الاربعین النوویۃ: ۴۱ (۳) بخاری: ۶۸۸۲

ایک حدیث میں ہے کہ:

”کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْ خُلُوْنَ اَلْجَنّۃَاِلامَنْ اَبٰی ، قِیْلَ : وَمَنْ اَبٰی قَالَ :مَنْ اَطَاعَنِی دَخَلَ الْجَنّۃَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی“. (۱)

(میرے تمام امتی جنت میں داخل ہونگے ،سوائے اس کے جس نے انکار کیا، آپ سے پوچھا گیا کہ انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوااور جس نے میری نافرمانی کی،اس نے انکار کیا)۔

بطور نمونہ چند احادیث یہاں نقل کی گئی ہیں،ورنہ اس مضمون پر احادیث کا دفتر کا دفتر موجود ہے۔حاصل یہ ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت کے بغیر چارہٗ کار نہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے ہر معاملہ میں اللہ اوررسول کے احکام وقوانین کو مدنظر رکھ کر کام کرنا چاہیئے ،اور کسی بھی معاملہ میں اس کو من مانی وآزادزندگی نہیں گذارنی چاہیئے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کی بندگی اور رسول اللہ کی پیروی، زندگی کے تمام احوال وامور میں کرنا ضروری ہے۔ظاہری امور میں بھی اور باطنی امور میں بھی عقائدو ایمانیات میں بھی اور اعمال وعبادات میں بھی، معاشرت وسماجیات میں بھی اوراخلاق وکردار میں بھی، آپسی معاملات میں بھی اور سیاسی امور میں بھی، اس لیے کہ دین وشریعت مکمل ہیں،جن میں سب کچھ ہے۔لہذا تمام امور میں اللہ کی بندگی اوررسول اللہ کی پیروی لازم وضروری ہے۔

شریعت میں ظاہری وباطنی دونوں قسم کے احکام ہیں

دین کے دو اہم اور بنیادی حصے ہیں، ایک کا تعلق ظاہری اعمال سے ہےاور دوسرے کا تعلق باطنی اعمال سے ہے۔

(۱) بخاری: ۷۲۸۰، احمد: ۸۳۷۳

ظاہری اعمال جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، وغیرہ، اور باطنی اعمال جیسے اخلاص تواضع، حُب خداوندی، عشق محمدی، خوفِ الٰہی، توکل، انابت، خشیت، تقویٰ وغیرہ، جس طرح ہم کو ظاہری عبادات واعمال کا مکلّف بنایا گیا ہے، اسی طرح ہم کو باطنی عبادات واعمال کا بھی مامور کیا گیا ہے، اور قرآن وحدیث میں بے شمار نصوص، اس پر دلالت کرتی ہیں۔

مثلاً اخلاص کی ضرورت واہمیت اور اس کے بالمقابل ریاء وسمعہ کی مذمت اور برائی، قرآن وحدیث میں جگہ جگہ آئی ہے۔ اور یہ اخلاص قلبی عمل وعبادت ہے اور ریاءکاری قلبی مرض وبیماری ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ﴾ [البیّنۃ:۵]

(اور لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا مگر اس بات کا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ دین کو خالص اللہ کے لیے کردیں، اور یہ کہ اسی کی طرف توجہ کرنے والے ہوں)۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ عبادت میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلٰوتِہِمۡ سَاہُوۡن ، اَلَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ﴾

[ماعون:۵]

(پس ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں اور جو ریاکاری کرتے ہیں)۔

اس آیت میں ریاکاری سے عبادت کرنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے اور وعید سنائی گئی ہے۔

اسی طرح حدیث کی طرف آئیے، ایک حدیث میں فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ اعمال میں سے نہیں قبول کرتا مگر صرف وہ جو خالص اس کے لیے ہو۔''(۱)

اور ریاکاری کی مذمت میں آیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اور لوگوں میں شہرت کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن لوگوں میں ذلیل و رسوا کریں گے۔(۲)

اسی طرح محبت خداوندی اور عشق نبوی ضروری ہے، بغیر اس کے ایمان کا تحقق ہی نہیں ہوسکتا، پھر یہ اللہ و رسول کی محبت، ساری محبتوں پر غالب ہونا بھی لازم ہے، بغیر اس کے ایمان کامل نہیں ہوتا، چنانچہ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (بقرہ:۱۶۵)

(ترجمہ: جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں)۔

اور حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (حوالہ اوپر گذر چکا)

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ:

لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا نَفْسِیْ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبِی (کہ آپ میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میرے نفس کے جو کہ میرے پہلو میں ہے)۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ

(۱) الترغیب:۱/۵۵ (۲) الترغیب:۱/۶۵-۶۶

مجھے اپنے نفس سے زیادہ محبوب نہ سمجھے، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب اُتاری ہے۔ میرے نزدیک آپ میرے نفس سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ: **اَلآنَ یَاعمر!** کہ ہاں اب بات بنی اے عمر۔(۱)

معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت شدید و غالبہ ہونا، مطلوب ہے اور یہ بھی عملِ قلب ہے۔

اسی طرح حیاء ہے، جس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ:

"**اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَان**" (کہ حیاء ایمان کا جزء ہے)(۲)

اور اس کے بالمقابل بے حیائی کی مذمت آئی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء سابقین کی جو بات لوگوں تک پہنچی ہے ان میں سے ایک یہ کہ اگر تجھے حیاء ہی نہ ہو تو جو چاہے کر۔ (۳)

معلوم ہوا کہ حیاء اسلام میں پسندیدہ عمل ہے۔ اور بے حیائی و بے شرمی، ناپسندیدہ عمل ہے۔ اور اس عمل کا تعلق بھی قلب و دل سے ہے۔

اسی طرح خوف خداوندی ایک محبوب و مطلوب عمل ہے۔ اور بے خوفی ایک خوفناک عمل، قرآن میں فرمایا گیا:

﴿ وَاخْشَوْنِیْ ﴾۔[البقرہ: ۱۵۰] (کہ مجھ سے ڈرو)۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ، اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ. (۴)

---

(۱) بخاری: ۶۶۳۲، احمد: ۱۸۳۵۵ (۲) بخاری الایمان: ۲۴، مسلم: ۵۲، ترمذی: ۲۵۴۰، نسائی: ۴۹۴۷ (۳) بخاری: ۳۴۸۳، ابوداؤد: ۴۱۶۴، ابن ماجہ: ۴۱۷۳، احمد: ۱۶۴۷۰

(۴) ترمذی: صفۃ القیامۃ: ۲۳۷۴

(ترجمہ: جس نے خوف کیا، وہ رات ہی سے چلنا شروع کر دیا۔اور جو رات سے چلا تو منزل کو پہنچ گیا، سن لو کہ اللہ کا سودا گراں ہے۔اور سن لو کہ اللہ کا سودا جنت ہے)۔

اس میں خوف کا فائدہ بتایا ہے کہ خوف کرنے والا پہلے ہی تیار ہو کر چل پڑتا ہے۔اسی طرح اللہ سے خوف کرنے والا، پہلے ہی سے نیکی کی طرف چل پڑتا ہے۔نیز ایک طویل حدیث میں ان سات افراد کا ذکر کیا گیا ہے جن کو قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دی جائے گی، ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو اللہ کے ڈر سے روتا ہو۔(۱)

معلوم ہوا کہ خوف خداوندی، ایک پسندیدہ اور مطلوب عمل ہے، اسی طرح توکل رضا بالقضاء، تواضع، وغیرہ صفات حمیدہ مطلوب ہیں اور ان کے بالمقابل بری صفات مذموم وممنوع ہیں، جن کی تفصیل قرآن وحدیث میں موجود ہے، غرض کہ جس طرح ہم ظاہری عبادات و اعمال کے مکلّف ہیں اسی طرح ہم باطنی عبادات و اعمال کے بھی مکلّف ہیں، جیسا کہ اوپر کی وضاحت وتفصیل سے معلوم ہو گیا۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب یہ بات سمجھ لیں کہ شریعت کے اسی باطنی حصہ کی تحصیل اور ان اوصاف کو پیدا کرنے کی کوشش کا نام سلوک وتصوف ہے۔

میرے مرشد اول حضرت مسیح الامتؒ اپنی کتاب شریعت وتصوف میں فرماتے ہیں:

''شریعت کا وہ جُز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے۔تصوف وسلوک کہلاتا ہے—— گویا کہ تصوف دین کی روح ومعنی یا کیف وکمال کا نام ہے۔جس کا کام باطن کو رذائل یعنی اخلاق ذمیمہ، شہوت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حب جاہ، بخل، حرص،

(۱) بخاری، الرقاق: ۶۴۷۹، مسلم الزکاۃ: ۱۷۱۲، ترمذی، الزھد: ۲۳۱۳، نسائی: آداب القضاء: ۵۲۸۵، احمد: ۹۲۸۸، مالک: ۱۵۰۱

ریاء، عُجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکر سے آراستہ کرنا ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے جو مقصود حیات ہے۔(۱)

سلوک کی ضرورت

جب یہ معلوم ہوگیا کہ دین کے دو اجزاء ہیں اور دونوں ہی کے ہم مکلّف ہیں۔ تو اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ دین کے ان دونوں اجزاء پر جب تک عمل نہ ہوگا ہماری دین داری نامکمل وناقص ہے، لہٰذا دینداری میں کمال بدون سلوک میں داخل ہوئے حاصل نہیں ہوسکتا۔ پس ضروری ہے کہ ہر مومن اعمال وعبادات ظاہرہ کے ساتھ ساتھ، اعمال وعباداتِ باطنہ کی تحصیل میں بھی لگے، اس لیے کہ دونوں ہی فرض وضروری ہیں۔ بلکہ فی الواقع اعمال باطنہ، اعمال ظاہرہ کے لیے بمنزلہ روح کے ہیں مثلاً نماز کے ظاہری ارکان، (قیام، قرأت، رکوع، سجدہ، وغیرہ) اور آداب وسنن کے ساتھ، اگر روحِ اخلاص نہ ہو اور خشوع وخضوع نہ ہو تو وہ نماز، بے روح ڈھانچہ کی طرح ہے۔ اسی طرح اور عبادات واعمال کا مقصود بھی وہی باطنی اعمال ہیں۔ اس لیے اس کی تحصیل کے لیے آدمی کو پوری توجہ اور ہمت سے کام لینا چاہئے۔

سلوک میں مجاہدہ کی اہمیت

اوپر کی تفاصیل نے یہ واضح کردیا کہ کوئی آدمی اس راہِ سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر وباطن کو شریعت کے مطابق کرنے اور بنانے کا عزم وارادہ کرکے قدم آگے بڑھا رہا ہے، جو کہ ایک مبارک عزم اور خوش آئند اقدام ہے، اسی قصد وعزم اور کوشش ومحنت کو شریعت میں مجاہدہ کہتے ہیں، جس

---

(۱) شریعت وتصوف: ۱/۹۶

پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کامیابی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

[العنکبوت:٦٩]

(ترجمہ: جولوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور ان کو ہمارے راستے دکھاتے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہیں)۔

اس آیت کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں، بعض نے اس سے کفار سے جہاد کرنا مراد لیا ہے۔(۱)

اور بہت سے علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ جہاد نہیں بلکہ اس سے مراد جہاد بالنفس ہے؛ چنانچہ حضرت ابن عطیہؒ نے فرمایا یہ آیت عرفی جہاد کے حکم سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس سے مراد اللہ کے دین اور اللہ کی مرضیات کی طلب میں کوشش ومجاہدہ ہے اور ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ آیت میں صرف جہاد بالکفار مراد نہیں ہے بلکہ دین کی نصرت اور باطل پرستوں کی تردید، اور ظالموں کا قلع قمع کرنا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی اس میں داخل ہے، اور اس میں اللہ کی اطاعت میں نفس کا مجاہدہ بھی داخل ہے۔ اور یہ جہاد اکبر ہے؛ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جولوگ ہماری اطاعت میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو ہمارے ثواب کا راستہ بتاتے ہیں۔(۲)

غرض یہ کہ اس آیت میں مجاہدہ کا ذکر ہے اور اس پر وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راستہ کھولے گا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ منزل مقصود تک اس کو پہنچایا جائے گا کیونکہ راستہ دکھانا اور کھولنا تو اسی لیے ہوتا ہے کہ منزل تک رسائی ہو ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

(۱) تفسیر طبری:۱۰/۱۶۱ (۲) تفسیر قرطبی:۱۳/۳۶۴-۱۳/۳۶۵

''یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالیٰ : اَنَا عِنْدَظَنِّ عَبْدِیْ ، فِاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِنْھُمْ وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعاً وَ اِنَّ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعاً وَ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً''

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں میرے بندے کے گمان کے پاس ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے۔ (یعنی میں اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں) اگر وہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھ کو دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ کو کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر (فرشتوں کے) مجمع میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (۱)

اس حدیث پاک میں جو فرمایا کہ جو اللہ کی طرف قریب ہوگا یا چلے گا تو اس سے مراد وہی مجاہدہ ہے: کہ آدمی مجاہدہ کے ذریعہ جب اللہ سے قریب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے قریب ہوتے ہیں یعنی اپنی رضا و ثواب سے نوازتے ہیں علماء سلوک و اولیاء اللہ نے فرمایا کہ بغیر مجاہدہ کے اس راہ میں کامیابی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ؛

چنانچہ امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ جو آدمی اپنے ابتدائی مرحلہ میں صاحب مجاہدہ نہیں ہوتا وہ اس راہ کی بو بھی نہیں پا سکتا۔ (۲)

(۱) بخاری: ۷۴۰۵، مسلم: ۴۸۳۲، ترمذی: ۳۵۲۷، احمد: ۸۹۸۳، ابن ماجہ مختصراً: ۳۸۱۲
(۲) رسالہ قشیریہ: ۱۳۳

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ابوعثمان مغربیؒ نے فرمایا کہ:

''جس آدمی نے یہ گمان وخیال کیا کہ بغیر مجاہدہ وریاضت کے اس راہ میں سے کچھ اس پر کھول دیا جائے گا تو وہ غلطی میں ہے۔(۱)

اسی سلسلہ میں حضرت حسن القزّازفرماتے ہیں کہ:

''یہ راستہ (سلوک وتصوف کا) تین باتوں پر مبنی ہے، ایک یہ کہ بغیر سخت حاجت کے نہ کھائے، دوسری یہ کہ بغیر نیند کے غلبہ کے نہ سوئے اور تیسری یہ کہ بغیر ضرورت کے نہ بولے۔(۲)

غرض یہ کہ آدمی جب تک کھانے پینے اور نیند کی قربانی دیکر اور زبان کو قابو میں رکھ کر مجاہدہ نہ کرے گا، اس وقت تک یہ راستہ طے نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا اے سالک اگر تو نے اس راہ کو طے کرنا پسند کیا ہے اور اللہ کا قرب اور اس کی رضا چاہتا ہے تو مجاہدہ کر اور آگے بڑھ ۔

مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ کے معنی ہیں ''نفس کی مرادات اور مرضیات کے بجائے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرادات ومرضیات پر چلانے کی کوشش کرنا'' اس کے دو اجزاء ہیں:

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان پر نفس کو چلانا، اگرچہ نفس ان پر چلنا نہ چاہے اور ایسی باتوں کو مامورات کہتے ہیں ۔ پھر یہ مامورات بھی دو قسم کے ہیں: ا یک ظاہر سے متعلق دوسرے باطن سے متعلق، جن کی تفصیل اوپر عرض کر چکا ہوں۔

---

(۱) رسالہ قشیریہ:۱۳۴ (۲) رسالہ قشیریہ:۱۳۴

دوسرے یہ کہ اللہ ورسول نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے نفس کو بچانا اور دور رکھنا، ایسی باتوں کو منہیات کہتے ہیں، پھر یہ منہیات بھی دو قسم کے ہیں ایک ظاہر سے متعلق جیسے: سود، جھوٹ، رشوت، شراب نوشی، زنا کاری وغیرہ۔ دوسرے باطن سے متعلق جیسے ریاء کاری، بے خوفی، تکبر، حسد، کینہ، بغض وعداوت، حبِ دنیا، حب جاہ، حرص، بخل، غرور وعجب وغیرہ۔

خلاصہ یہ کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کو اختیار کرنے اور بجالانے کا حکم دیا ہے۔ ان پر نفس کو چلانا اور پابند بنانا اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان سے بچانا اور دور رکھنا، مجاہدہ کہلاتا ہے اور اس کو جہاد اکبر بھی کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ لِلّٰهِ''(۱)

(ترجمہ: مجاہد وہ ہے جو اللہ کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے۔)

علامہ مناویؒ نے علامہ علائی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند جید ہے۔(۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مجاہد اس کو قرار دیا ہے جو اپنے نفس سے اللہ کے لیے جہاد کرے اور ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ جہاد سے واپسی پر صحابہ کرام سے فرمایا کہ:

''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ''(۳)

(یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں)۔

غرض یہ کہ کفار کے ساتھ جہاد سے بھی بڑا جہاد نفس کا مقابلہ کرنا ہے کیونکہ جو

(۱) کتاب الزہد لابن المبارک:۴۶۳، ترمذی:۱۵۴۶، احمد: ۲۲۸۲۶ (۲) فیض القدیر: ۶/ ۲۶۲ (۳) تخریج الاحیاء للعراقی: ۳/۷

آدمی نفس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ غیروں کو اللہ کے دین کی طرف لانے کی کیا کوشش کرے گا اور ان کا کس طرح مقابلہ کرے گا؟

لہٰذا سالک کو چاہئے کہ نفس کا مقابلہ کرتے ہوئے اس کو اللہ کے اوامر پر آمادہ کرے اور شہوات وخواہشات سے اس کو روک کر رکھے یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے حضرت ابو العباس السیاریؒ سے پوچھا گیا کہ مرید اپنے نفس کے ساتھ کس چیز کے ذریعہ مجاہدہ وریاضت کرے؟ فرمایا کہ اوامر پر جمے رہے ممنوعات سے بچنے اور صالحین کی صحبت اور فقراء کی خدمت سے۔(۱)

یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سالک کو جہاں اوامر کی اطاعت وتعمیل ضروری ہے وہیں ممنوعات ومحرمات سے پرہیز بھی ضروری ہے۔بعض لوگ نیکیاں تو کر لیتے ہیں؛ مگر گناہوں سے نہیں بچتے سالک کے لیے یہ سخت مضر ہے۔اگر نیکیاں غذا اور دوا کی طرح ہے تو گناہوں سے بچنا پرہیز کی طرح ہے۔ اگر کوئی مریض ڈاکٹر کی بتائی ہوئی غذا اور دوا تو پابندی سے کھائے؛ مگر جو پرہیز کی چیزیں بتائی گئیں ان سے نہ بچے تو اس کو کب صحت ہو سکتی ہے؟ اس لیے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نیک کام تو اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ نماز جس طرح نمازی پڑھتا ہے، بہت سے شرابی، کبابی بھی پڑھ لیتے ہیں؛ مگر گناہ سے بچنا صرف متقی وپرہیزگار لوگوں کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اللہ کی ولایت صرف متقی لوگوں کو ملتی ہے۔چنانچہ فرمایا گیا:

﴿اِنْ اَوْلِیَاءُ وہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ الانفال:۳۴]

(ترجمہ: اللہ کے دوست صرف وہ ہیں جو گناہ سے پرہیز کرتے ہیں) پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ نیکی وعبادت کا نور اسی وقت باقی رہتا ہے جب کہ گناہوں سے بچا جائے، ورنہ وہ نور زائل ہو جاتا ہے؛ بلکہ بعض گناہوں کے اثر سے نیکیاں سوخت

(۱)رسالہ قشیریہ:۸۰

ہو جاتی ہیں، جیسے حسد کہ اس کے بارے میں حدیث میں ہے ''اِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَاتَأْکُلُ النَّارُالْحَطَبَ'' (۱)

(ترجمہ: حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے)

مرشدنا حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ ایک دفعہ کار میں بیٹھ کر تشریف لے جا رہے تھے، سخت گرمی تھی، اور کار میں اے۔سی۔(A.C) بھی چالو کر دیا گیا مگر بہت دیر ہونے کے باوجود ٹھنڈک پیدا نہیں ہوئی تو ڈرائیور نے کہا کہ کوئی دریچہ کا گلاس پوری طرح بند نہیں ہوگا اسی لئے اے۔سی کام نہیں کر رہا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا تو ایک طرف کا گلاس تھوڑا سا کھلا ہوا تھا جب اس کو بند کیا گیا تو اے۔سی نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔اور کار میں ٹھنڈک آ گئی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اس واقعہ سے عبرت لیجئے کہ جب تک یہ دریچہ کھلا تھا کار میں ٹھنڈک نہیں آئی اسی طرح اگر آنکھوں اور کانوں وغیرہ کے یہ دریچے اور شیشے کھلے رہیں گے تو دل میں ایمان کی ٹھنڈک محسوس نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حرام چیزوں سے ان آنکھوں اور کانوں اور زبان وغیرہ کو بند رکھنا چاہئے۔غرض گناہوں سے بچنا بھی سالک کا اہم کام اور مجاہدہ کا اہم جز ہے۔خواہ وہ ظاہری گناہ ہوں یا باطنی گناہ ہوں۔

سالک کا پہلا قدم۔ توبہ

جب کسی اللہ کے بندے کو اللہ تعالیٰ اس راستہ کی طرف رہنمائی فرمائیں اورا س کے دل میں اس کا جذبہ پیدا فرمائیں تو سب سے پہلے اس کو اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کرنا چاہیئے ،توبہ سالکین کے منازل میں سے اول منزل اور طالبین کے مقامات میں سے ا ولین مقام ہے۔

توبہ کی فضیلت وضرورت بے شمار آیات واحادیث سے ثابت ہے؛ قرآن

(۱) ریاض الصالحین:۱/۴۷

پاک میں فرمایا گیا ہے:

وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّہَ الْمُوْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.(نور: ۳۱)

(تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو، اے مومنو! تا کہ تم کامیاب ہوسکو)

اور حدیث میں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو کہ میں بھی دن میں سو دفعہ توبہ کرتا ہوں۔(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْئُ النَّھَارِ ، وَیَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْئُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا ''

(ترجمہ: اللہ تعالےٰ رات میں (اپنی رحمت کا ہاتھ) پھیلاتے ہیں تا کہ دن کا گنہ گار توبہ کرلے اور دن میں ہاتھ پھیلاتے ہیں تا کہ رات کا گنہ گار توبہ کرلے (یہ توبہ کا سلسلہ چلتا رہے گا) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو)۔(۲)

لہٰذا سب سے پہلے آدمی کو اپنے تمام صغیرہ و کبیرہ کھلے و چھپے ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے ،توبہ کی حقیقت تین چیزیں ہیں:

(۱) اپنے گناہوں پر ندامت و پشیمانی کا احساس۔

(۲) تمام گناہوں سے فی الفور وفی الحال دوری وعلاحدگی۔

(۳) آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ۔(۳)

جب آدمی سچے دل سے اس طریقہ پر توبہ کرتا ہے تو حق تعالےٰ اس بندہ کو معافی و بخشش عطا فرماتے ہیں اور اس سے راضی وخوش ہوجاتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

(۱) مسلم:۱۴۸۷،احمد:۱۷۱۷۳(۲) مسلم:۴۹۵۴ ،احمد:۱۸۷۰۸(۳) ریاض الصالحین:۱۱، رسالہ قشیریہ:۱۲۸

اللہ تعالےٰ بندہ کی توبہ پر جبکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے، اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو جنگل میں اپنی سواری پر تھا اور اس پر اس کا کھانا پینا بھی تھا پس وہ سواری گم ہوگئی، وہ آدمی مایوس ہوکر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ گیا۔ اسی درمیان اس نے دیکھا کہ اس کی وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے۔ اور خوشی میں اس اونٹنی کو پکڑا اور خوشی کے غلبہ میں غلطی سے کہنے لگا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب۔

(اس بندے کی خوشی سے زیادہ اللہ کو توبہ پر خوشی ہوتی ہے)(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ:

''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَه''(۲)

(ترجمہ: کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو)۔

غرض سچے دل سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے بغیر اس کے آگے بڑھنا ممکن نہیں؛ بعض لوگ صحیح طریقہ سے توبہ کئے بغیر آگے بڑھنا چاہتے ہیں جو ممکن نہیں پھر جب ترقی نہیں دیکھتے تو مایوسی کا شکار ہوجاتے ہیں لہٰذا ہر سالک کو چاہئے کہ وہ سب سے اول قدم وسیڑھی سمجھ کر صحیح طور پر توبہ کرے۔

توبہ کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ:

''گناہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن سے حقوق اللہ میں فتور وخلل پڑ جاتا ہے دوسرے وہ جن سے حقوق العباد میں خلل ہوجاتا ہے، جہاں تک حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے توبہ ہے تو وہ اللہ سے ندامت کے ساتھ سچے دل سے معافی مانگنے سے ہوجائے گی اور ان میں سے نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج کے ادا کرنے میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو اب ادا کردینا چاہئے، نمازوں کا حساب لگا کر روزانہ کچھ نہ کچھ نمازیں قضاء پڑھ لے اسی طرح روزے جو چھوٹ گئے ہوں ان کی قضاء کرے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں غفلت ہوئی ہو تو جتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو جلد اس کو ادا کردے، حج

(۱) مسلم: ۴۹۲۹، بخاری: ۶۳۰۸، ترمذی: ۶۴۲۲ (۲) ابن ماجہ: ۴۲۴۰

فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کیا ہو تو جلد سے جلد اس کو بھی ادا کر دے۔ اسی طرح تمام عبادات کا جائزہ لیکر ان کی کوتاہیوں کا تدارک کرے۔

اور رہے وہ حقوق جن کا تعلق بندوں سے ہے ان کی کوتاہیوں سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ سے معافی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی معافی مانگنا چاہیئے جن کی حق تلفی کی ہے۔ مثلاً کسی کی غیبت کی تھی تو اس سے بھی معافی مانگے جس کی غیبت کی ہے؛ اسی طرح اگر کسی کی کوئی چیز غصب یا چوری کی ہو تو اس کو معافی کے ساتھ واپس کرے، یہ ہے توبہ کا مکمل طریقہ جس کو حضرات علماء نے بیان کیا ہے۔

توبہ کرنے کے بعد (جیسا کہ اوپر حدیث کی روشنی میں بتایا گیا) آدمی گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد اگر پھر کچھ گناہ ہو جائے تو سالک کو چاہئے کہ فوراً توبہ واستغفار کرے۔ مایوس ہو کر تعطلی کا شکار نہ ہو جائے۔ بعض سالکین توبہ کر کے کام شروع کرتے ہیں اور دوبارہ یا سہ بارہ گناہوں کا صدور ہو گیا تو شیطان ان کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے وہ یوں سمجھاتا ہے کہ تونے توبہ کی پھر توبہ کو توڑ دیا۔ اب پھر کس منہ سے اللہ کی جناب میں جائے گا؟ اور کیسے تیری معافی ہوگی؟

غالب کو شیطان نے یہی پٹی پڑائی تھی، چنانچہ غالب نے کہا تھا ؂

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہ شعر مایوسی بلکہ تعطلی پیدا کرتا ہے اور دراصل شیطانی وسوسہ ہے اس کے مقابلہ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کے یہ اشعار سالک کو مشعل راہ بنانا چاہئے فرماتے ہیں ؂

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
ان کو رو رو کے میں مناؤں گا
اپنی قسمت کو یوں بناؤں گا

لہٰذا سالک کو مایوس نہ ہونا چاہئے بلکہ گناہ کے بعد پھر اسی در پر آنا اور گڑ گڑانا

اور معافی مانگ کر اس اللہ کو منانا چاہئے اور رو رو کر منانا چاہئے اور شرم کو خاک میں ملانا چاہئے۔

ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے توبہ کی پھر چند دنوں بعد برائی کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے بعد ایک دن غور کرنے لگا کہ اگر میں پھر توبہ کروں تو کیا ہوگا؟ اس پر غیب سے آواز آئی کہ:

یا فلاں !اَطَعْتَنَا فَشَكَرْنَاكَ ، ثُمَّ تَرَكْتَنَا فَأَمْهَلْنَاكَ ، وَاِنْ عُدْتَّ إِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ.

(ترجمہ: اے فلاں! تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے تجھے جزاء دی پھر تو نے ہم کو چھوڑ دیا تو ہم نے تجھ کو مہلت دی اور اگر تو پھر ہماری طرف لوٹ آئے گا تو ہم تجھے قبول کرلیں گے)۔

حضرت یحیٰ بن معاذؒ نے اللہ سے یوں عرض کیا کہ:

’’ اے اللہ! میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی اور پھر گناہ نہ کروں گا کیونکہ میں میری فطرت کو جانتا ہوں اور نہ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ گناہ چھوڑ دوں گا؛ کیونکہ میں میرے ضعف وکمزوری کو جانتا ہوں؛ لیکن میں پھر بھی کہتا ہوں کہ میں پھر گناہ نہیں کروں گا کہ ہوسکتا ہے کہ دوبارہ گناہ سے پہلے میں مرجاؤں۔ (اور وعدہ پر قائم رہ جاؤں)(۱)

غرض یہ کہ اگر سالک سے گناہ ہوجائے تو مایوس نہ ہو اور اپنی عاجزی اور ضعف وکمزوری کو اللہ کے سامنے پیش کرے کہ اے اللہ میں اتنا کمزور ہوں اور بد خلقی و بد اطواری کا شکار ہوں کہ بار بار توبہ توڑ رہا ہوں اور پھر بھی وعدہ تو نہیں کرسکتا کہ پھر گناہ نہ کروں گا مگر عزم کئے لیتا ہوں کہ نہ کروں گا۔

بہر حال اللہ کے دربار کو چھوڑا نہیں جا سکتا بے شرم بن کر پھر وہیں آنا ہے اور اللہ کو یہ ادا پسند آتی ہے۔

---

(۱) رسالہ قشیریہ: ۱۳۱

سالک کے لیے علم دین ضروری ہے

اس راہ کے سالک کو علم شریعت کے حاصل کئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ وہ جس راہ پر چلنے کے ارادہ وعزم سے قدم بڑھا رہا ہے وہ راستہ شریعت و دین ہی کا راستہ ہے اور وہ قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے لہٰذا دین وشریعت کا علم جب تک نہ ہوگا کوئی اس راہ کو طے نہیں کر سکتا۔

جاہل صوفیوں نے اپنی جہالت سے یہ سمجھا اور سمجھایا ہے کہ یہ راہ سلوک و تصوف قرآن وحدیث سے ہٹ کر کوئی اور علم ہے، اور وہ سینہ بسینہ آتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے چالیس پارہ ہیں اور دس پارے تصوف ومعرفت کی باتوں پر مشتمل ہیں اور وہ عام لوگوں کو نہیں دئے گئے اور یہ تیس پارے شریعت کے علم پر مشتمل ہیں مگر یاد رکھو یہ باتیں کافرانہ و جاہلانہ ہیں اور یہ لوگ دراصل صوفی نہیں شیطانی ہیں جو اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے بھیس میں لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جو اصلی وحقیقی صوفیاء کرام ہیں ان کے نزدیک قرآن وحدیث اور شرع شریف اصل ہے جس سے دین کے سارے امور نکلتے ہیں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں

''ہمارا یہ راستہ وطریقہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے اصولوں سے مقید ہے۔

نیز فرمایا کہ'' جس نے قرآن پاک حفظ نہ کیا اور حدیث نہ لکھا اس کی اس راستہ میں اقتداء نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ہمارا یہ (تصوف کا) علم کتاب وسنت سے مقید ہے۔ (۱)

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ:

'' شریعت کے تین جزء ہیں۔علم،عمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں جزء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا جو تمام دنیوی واخروی سعادتوں سے فائق واعلیٰ ہے وہ بھی متحقق ہوگئی یعنی حاصل

(۱) رسالہ قشیریہ:۵۱

ہوگئی اس لیے کہ شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اور کوئی مطلب و مقصود ایسا نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان اس کا محتاج ہو طریقت و حقیقت جس سے صوفیہ ممتاز ہیں دونوں شریعت کی خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں سے بھی مقصود شریعت کی تکمیل ہے۔ نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔ (۱)

معلوم ہوا کہ علم شریعت اصل ہے اور اسی سے حقیقت و طریقت کے اسرار و رموز بھی معلوم ہوتے ہیں اور علم شریعت کے بغیر کوئی شخص اس راہ کو قطعاً طے نہیں کرسکتا۔ مشہور صوفی و بزرگ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں:

'' علم و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوست رہنا چاہئے۔ اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اَلْمُتَعَبِّدُ بِلاَ فِقْهٍ كَا لْحِمَارِ فِي طَاحُوْنَةٍ''

(بے علم عبادت گذار اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی چکی سے بندھا ہوا ہو)

چکی سے بندھا ہوا گدھا اگر چہ دوڑتا ہے مگر وہ اپنے محور ہی میں گھومتا رہتا ہے اور کوئی مسافت طے نہیں کر پاتا۔ (۲)

اسی طرح ایک اور بزرگ اور صوفی حضرت احمد کبیر رفاعیؒ نے بھی فرمایا ہے ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

'' جو عمل و کوشش شریعت کے خلاف کسی اور طریقے پر ہو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اگر کوئی عابد پانچ سو برس تک خلاف شریعت عبادت کرتا رہا تو یہ عبادت اسی کے منہ پر ماری جائے گی اور اس کی گردن پر گناہ الگ ہوگا۔ جس شخص کو احکام دین کی سمجھ حاصل ہو اس کی دو رکعتیں اللہ کے نزدیک جاہل درویش کی دو ہزار رکعتوں سے افضل ہیں۔ (۳)

---

(۱) مکتوبات: ۳۶/۱ (۲) کشف المحجوب: ۳۷ (۳) ارشادات حضرت رفاعیؒ: ۶۷

معلوم ہوا کہ حضرات صوفیاء کے نزدیک بھی بغیر علم شریعت کے کوئی اس راستہ کو طے نہیں کرسکتا؛

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾(١)

(علم کا طلب کرنا ہر مسلم پر فرض ہے)

اور علم کا حاصل کرنا مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کسی عالم سے سبقاً سبقاً کوئی دینی کتاب پڑھے یا اس کی مجلس میں پابندی سے بیٹھ کر بغیر کتاب کے سن سن کر حاصل کرے یا کسی عالم سے پوچھ پوچھ کر حاصل کرے، وغیرہ۔ غرض کسی بھی صورت سے علم دین ضرور حاصل کرے۔ حضرت احمد کبیر رفاعیؒ نے فرمایا ہے کہ:

اللہ تعالےٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا ہے اور اگر کسی جاہل کو ولی بناتے ہیں تو اس کو عالم بنا دیتے ہیں؛ ولی، دین کے علم سے جاہل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ خوب جانتا ہے کہ نماز کسی طرح پڑھنا چاہئے، زکوٰۃ کس طرح دینا چاہئے، حج کس طرح کرنا چاہئے۔(٢)

اور جو بعض جاہل صوفی شریعت اور طریقت کو الگ الگ قرار دیکر دھوکہ دیتے ہیں؛ اس کے بارے میں بھی حضرت رفاعیؒ کا ارشاد سُن رکھو کہ:

''طریقت'' شریعت کا عین ہے، مگر بعض لوگ اولیاء اللہ پر تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طریقت اور شریعت الگ الگ ہیں۔(٣)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

تم ایسا مت کہو جیسا بعض جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ ہم اہل باطن ہیں اور علماء اہل ظاہر ہیں۔ یہ بات غلط ہے، کیونکہ دین ظاہر و باطن دونوں کا جامع ہے اس کا باطن، ظاہر کا مغز ہے۔ اور ظاہر، باطن کا ظرف ہے یعنی اس کا محافظ ہے۔(٤)

---

(١) ابن ماجہ: ٢٢٠، مشکوٰۃ: ٣٤ (٢) ارشادات رفاعی: ٧٠ (٣) رموز رفاعیہ: ٣ (٤) ارشاد رفاعی: ٦٧

اوپر کی تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ اس راہِ سلوک میں کتاب وسنت ہی کا علم رہبری کرے گا۔ اور یہ کہ شریعت وطریقت آپس میں متخالف ومتضاد نہیں ہیں، بلکہ شریعت کے ایک جزء کا نام طریقت ہے، لہٰذا اے سالک ان جاہل صوفیاء کی باتوں سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا جو شریعت کو چھوڑ کر زندگی کرتے اور احوال وکوائف اور وجد و استغراق کے دعوے کرتے اور کرتب دکھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کو نماز و دیگر عبادات معاف ہو گئیں ہم معرفت والے ہیں۔ حضرات صوفیاء نے بار بار اس پر تنبیہ کر دی ہے۔ کہ اس سلوک سے سوائے اتباع شریعت وحصول رضا کچھ مطلب نہیں ہے۔ اور جو لوگ مذکورہ دعوے کرتے ہیں ان کی باتوں میں نہ آنے کی تلقین وہدایت کی ہے۔

حضرت ابوالحسین نوریؒ نے فرمایا کہ:

''جو شخص اللہ کے ساتھ ایسے حال وتعلق کا دعویٰ کرے جو اس کو علم شرعی کی حدود سے باہر کر دیتا ہے تو تو اس کے قریب بھی ہرگز نہ جانا۔(۱)

معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف کوئی حال وکیفیت کا دعویٰ کرے تو وہ صوفی نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی ہے۔ لہٰذا اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے ایک شخص نے معرفت کی بات چھیڑی اور کہا کہ اہل معرفت اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ نیکی وعبادت اور قرب خداوندی کے کاموں (نماز، ذکر، وغیرہ) کو ترک کر دیتے ہیں۔ یعنی وہ عبادات ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ:

''یہ ان لوگوں کا کہنا ہے جو اعمال وعبادات کے ساقط ہونے کی بات کرتے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے؛ اور جو شخص چوری کرتا اور زنا کرتا ہے وہ اس کہنے والے سے اچھا ہے''

---

(۳) الرسالۃ القشیریہ: ۵۳

نیز آپ نے فرمایا کہ یہ راہ سلوک مخلوق پر بند ہے۔ سوائے اس شخص کے جو رسول ﷺ کے نقش قدم کی اتباع کرتا ہو۔ (۱)

غرض یہ کہ اصل چیز اتباع سنت وشریعت ہے، جو کچھ ملے گا۔ اسی سے ملے گا۔ اوراس کے بغیر کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا سالک کو علم شریعت سے سستی وغفلت ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مدرسہ میں داخلہ لیکر مکمل مولوی وعالم بننا ضروری ہے بلکہ مراد ضروری امور کی تحصیل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

عقائد سے متعلق توحید وصفات باری تعالیٰ، آخرت، تقدیر، رسالت ونبوت کے مسائل جاننا ضروری ہے؛ پھر نماز وروزہ کے احکام، اوراگر مالدار ہوتو زکوٰۃ کے مسائل واحکام اور جس پر حج فرض ہو، اس کو حج کے احکام اور جو تاجر ہوتو خرید و فروخت کے مسائل جاننا لازم ہے۔ اسی طرح صنعت پیشہ وملازمت پیشہ لوگوں پر اس کام سے متعلق احکام کا جاننا ضروری ہے۔ اسی طرح نکاح، طلاق کے مسائل جاننا اس پر ضروری ہے۔ جو نکاح کرنا چاہتا ہو، نیز اخلاق سے متعلق علم ضروری ہے جیسے اخلاص، تواضع، وغیرہ تاکہ تکبر وریاء سے بچ سکے، اسی طرح حسد، کینہ بغض وغیرہ کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ ان اخلاقی برائیوں سے بچ سکے۔ (۲)

ان باتوں کی تفصیل علماء سے پوچھ لینا چاہئے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے اور آدمی جاہل نہ رہے، اور عبادت رائیگاں نہ جائے۔

شیخ کامل کی تلاش

سلوک وطریقت کا یہ راستہ نازک ولطیف راستہ ہے جس کا مقصد قرب ورضاء حق کا حصول ہے؛ اس کے لیے کسی متبع سنت شیخ کامل کی رہبری ورہنمائی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ دین کے اور علوم اور دنیا کے مختلف فنون میں بھی اللہ تعالیٰ کی

(۱) الرسالۃ القشیریہ: ۵۰ (۲) شامی: ۴۲/۱

یہی سنت ہے کہ ان کا حصول اوران میں مہارت ، ماہر علم وفن کی رہبری ورہنمائی سے ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتیٰ کے بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جا سکے گا۔ بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہر گز کوئی خوشنویس نہیں ہوسکتا۔غرض بدون کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں ہوسکتا؛ اسی کو کہا ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند ☆ صحبت طالح ترا طالح کند

هر که خواهد هم نشینی باخدا ☆ گو نشیند درحضور اولیـــاء

یک زمانه صحبتے با اولیاء ☆ بهتر از صد ساله طاعت بے ریاء

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است ☆ بهتر از صد ساله زهد و طاعت است

مطلب یہ کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنادے گی اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بدبخت بنادے گی' جو شخص خدا تعالےٰ کی ہم نشینی کا طالب ہوتو اس کو اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہئے اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی نصیب ہوجائے تو وہ سو سالہ زہدوطاعت سے بہتر ہے۔(۱)

غرض یہ کہ جس طرح دنیوی فنون اور دینی علوم سب میں سنت اللہ یہی ہے کہ رہبر واستاد کی رہنمائی میں حاصل ہوتے ہیں اسی طرح راہ سلوک بھی جو کہ لطیف و نازک راہ ہے کسی کی رہبری ورہنمائی میں طے ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿یَاأَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْ ا للّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ.﴾ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو)

---

(۱) شریعت وتصوف: ۱/۱۱۱

اس میں اس جانب واضح اشارہ ہے کہ تقوی کا حصول جو کہ راہ سلوک کی اساس اور رأس ہے؛ صادقین کی معیت وصحبت کے ذریعہ ہوتا ہے؛ اور صادقین وہ ہیں جو قولاً فعلاً وحالاً ہر طرح اپنے اندر صدق وسچائی رکھتے ہوں۔

حضرت مرشدی مسیح الامتؒ فرماتے ہیں:

''شریعت میں صدق عام ہے افعال کو بھی ،اقوال کو بھی اور احوال کو بھی ، اقوال کا صدق یہ ہے کہ بات پکی اور سچی ہو۔یعنی واقعہ کے مطابق ہو۔جو شخص اس صفت سے موصوف ہو،اس کو صادق الاقوال کہتے ہیں۔اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو،حکم شرعی کے خلاف نہ ہو،پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو صادق الافعال کہتے ہیں اور احوال کا صدق یہ ہے کہ احوال سنت کے مطابق ہوں پس جو

احوال خلاف سنت ہیں وہ احوال کاذبہ ہیں اور جس کے احوال وکیفیات سنت کے مطابق ہوتے ہیں اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔(۱)

پس جو شخص ایسا ہو کہ اس کی زبان بھی شریعت کے مطابق چلتی ہے۔اس کا عمل بھی شریعت کے موافق ہے اور اس کے احوال وکیفیات بھی شریعت کے دائرہ میں ہیں تو ایسا آدمی ''صادق'' کہلاتا ہے،اس کی صحبت ومعیت مفید ومعین ہوگی اور تقوی کا راستہ اس سے معلوم ہوگا۔

یہ بات معلوم ومسلم ہے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے:خواہ اچھی صحبت ہو یا بری، چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَ جَلِيْسِ السُّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَ نَافِخِ الْكِيْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ، إِمَّاأَنْ يُّحْذِيَكَ وَ إِمَّاأَ نْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَ إِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيْرِ إِمَّا اَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا اَنْ تَجِدَ رِيْحًا مُنْتِنَةً**''

(۱) شریعت وتصوف:۱/۱۸۳

(ترجمہ: نیک اور بُرے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے عطر والا اور لوہار، عطر والا یا تو تجھ کو عطر دیگا یا تو خود اس سے خرید لے گا۔ یا (کم از کم) اس کی خوشبو پائے گا۔ اور رہا لوہار تو وہ یا تو تیرے کپڑے جلادے گا۔ یا (کم از کم) اس (کی بھٹی) کی بدبو تو محسوس کرے گا۔ (۱)

اس حدیث سے صالح و نیک آدمیوں کی صحبت و معیت کا فائدہ وفضیلت اور بُری اور گندی صحبتوں کی بُرائی ونقصان بیان کیا گیا ہے۔

لہٰذا اچھی و نیک صحبت اور اولیاء اللہ ومقربان خداوندی کی معیت اختیار کرنا چاہیئے اور شریعت کے خلاف اور سنت کے خلاف چلنے والوں کی صحبت سے دور رہنا چاہیئے۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ نے اپنے شعر میں فرمایا کہ ؎

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں، آپ میرے ساتھ آیئے

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ ☆ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

یعنی اللہ سے قرب حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ اللہ سے قرب وتعلق رکھنے والوں سے تعلق وربط پیدا کیا جائے۔ اس شعر میں ملنے سے مراد قرب وتعلق ہے نہ کہ ظاہری طور پر ملنا۔

بہرحال یہ معلوم ہوا کہ راہ سلوک کے طے کرنے کے لیے، کسی کامل شیخ کی رہبری حاصل کرنا چاہیئے۔

شیخ کامل کی پہچان

جب شیخ کامل کی تلاش کرو تو یہ نہ دیکھو کہ وہ صاحب کرامت و صاحب کشف ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھو کہ وہ متبع سنت و شریعت ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس نکتہ کو نہ

(۱) بخاری: ۲۱۰۱، مسلم: ۶۲: ۴۷، احمد: ۱۸۷۹۸، واللفظ لمسلم

جاننے کی وجہ سے بہت دھوکہ کھاتے اور آخرالامر محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے یہاں شیخ کامل کی پہچان کے لیے چند علامات لکھی جاتی ہیں، جو بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں؛ ان کے مطابق کوئی مل جائے تو اس کو رہبر بنانا چاہیے: چنانچہ حضرت تھانویؒ نے اپنے رسالہ ''قصد السبیل'' میں فرمایا کہ:

''پیر کامل وہ ہے جس میں یہ باتیں ہوں

(۱) ضرورت کے موافق دین کا علم ہو۔

(۲) عقیدے، عمل اور عادتیں اسکی شرع کے موافق ہوں۔

(۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔

(۴) کسی پیر کامل کے پاس کچھ دنوں تک رہا ہو۔

(۵) اس کے زمانے میں جو عالم اور درویش (اللہ والے) منصف مزاج ہوں، وہ اس کو اچھا جانتے ہوں۔

(۶) عام لوگوں کی نسبت خاص لوگ یعنی جو سمجھدار اور دیندار ہیں۔ وہ اسکے زیادہ معتقد ہوں۔

(۷) اس کے مریدوں میں اکثر مرید شرع کے پابند ہوں۔ اور ان کو دنیا کی طمع نہ ہو۔

(۸) وہ پیر اپنے مریدوں کی تعلیم دل سے کرتا ہو۔ اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جائیں اور اگر مریدوں کی کوئی بری بات دیکھتا یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

(۹) اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو۔

(۱۰) وہ خود بھی ذکر و شغل کرتا ہو۔(۱)

حضرت تھانویؒ نے ان علامات کے بعد ایک اہم ضروری بات پر متنبہ کیا ہے،

(۱) از تسہیل قصد السبیل: ۱۶

فرماتے ہیں کہ:

''جس شخص میں یہ نشانیاں موجود ہوں تو پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کرامت بھی ہوتی ہے یا نہیں، یا پوشیدہ یا آئیندہ ہونے والی باتیں اس کو معلوم ہوتی ہیں یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے، وہ قبول ہوتی ہے یا نہیں، یا یہ اپنی باطنی قوت سے کچھ کام کر دیتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ باتیں پیر وولی کے لیے ہونا ضروری نہیں۔ (۱)

غرض یہ کہ پیر وشیخ میں جو اصل چیز دیکھنا ہے، وہ دین وشریعت کی پابندی و اتباع ہے، ہاں اللہ والوں سے کرامت کا ہونا یا کبھی اللہ کی طرف سے کسی واقعہ کا کشف ہونا یا کسی بات کا الہام ہونا، حق ہے۔ مگر ولایت کے لیے لازم نہیں ہے۔ پھر بزرگوں نے کرامت وغیرہ کو ایسی اہمیت نہیں دی کہ اس پر ولایت کا مدار رکھا جائے۔

حضرت ابو محمد المرتعشؒ کے سامنے ذکر ہوا کہ فلاں صاحب پانی پر چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک جس شخص کو اللہ تعالےٰ اپنے نفس وخواہش کے خلاف چلنے پر قدرت دیدیں، وہ ہوا میں چلنے والے سے زیادہ عظیم ہے۔ (۲)

حضرت ابو یزید بُسطامیؒ نے فرمایا کہ:

''اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ کرامات دیا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تب بھی اس سے دھوکا نہ کھانا۔ جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ تم اس کو اللہ کے حکم اور نہی اور حدودِ شرعیہ کی حفاظت اور شریعت کے سامنے جھک جانے کے سلسلہ میں کیسا پاتے ہو؟ (۳)

لہٰذا جو اصل چیز ہے، اس کو دیکھنا چاہئیے اور شیخ کامل کی تلاش کے لیے اس کو معیار بنانا چاہیئے۔

شیخ کے حقوق وآداب

سلوک کے اہم مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ متبع سنت شیخ کا انتخاب کرنے کے بعد شیخ کے حقوق وآداب بھی پورے طور پر بجالائے، کیونکہ شیخ جو کہ اللہ کا راستہ

(۱) تسہیل قصد السبیل: ۱۶ (۲) رسالہ قشیریہ: ۲۷ (۳) البدایہ والنہایہ: ۳۰/۱۱

بتانے والا ہے، اس کی حیثیت باپ کے جیسی ہے، جس طرح علم ظاہر کی تعلیم دینے والے استاذ کی حیثیت ہوتی ہے۔ باپ اگر جسمانی تربیت واصلاح وترقی کا واسطہ و ذریعہ ہے تو شیخ روحانی و باطنی تربیت واصلاح وترقی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔لہذا جس طرح باپ کے پھر استاذ کے حقوق وآداب ہیں اسی طرح شیخ کے بھی حقوق و آداب ہیں، جن کی رعایت وحفاظت ضروری ہے۔بغیر رعایت ادب کے آدمی محروم رہ جاتا ہے۔

بے ادب محروم گشت از فضل رب

اس لیے شیخ کے چند اہم حقوق وآداب نقل کیے جاتے ہیں۔

مرشدی حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے ''شریعت وتصوف'' میں تفصیل سے ان حقوق وآداب کو بیان فرمایا ہے، یہاں چند کا خلاصہ پیش ہے۔

(۱) اپنے شیخ سے عقیدت ہونا چاہئے؛ بغیر عقیدت ومحبت۔ظاہر ہے کہ۔کوئی خاص فائدہ وفیض حاصل نہیں ہوسکتا؛ اس عقیدت کا لازمہ یہ ہے کہ کسی اور طرف توجہ نہ کرے کہ فلاں اور فلاں کے پاس بھی چکر کاٹتا پھرے، صوفیاء اس کو وحدتِ مطلب سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) مرشد ومصلح کی پوری طرح اطاعت کرے، اور دین وشریعت پر چلانے کے لیے وہ جن باتوں اور تدبیروں کی ہدایت کرے، اس کو پورے وثوق سے عمل میں لائے۔

(۳) شیخ سے بدگمانی نہ کرے، ویسے بدگمانی تو کسی سے بھی جائز نہیں۔لیکن شیخ سے بدگمانی کی وجہ سے آدمی اس کے فیوض وبرکات سے محروم رہ جاتا ہے۔

(۴) شیخ کی عظمت وادب بہت کرے، اس کے سامنے، زور سے نہ بولے، نہ اس پر اعتراض کرے، اس کی طرف پیر نہ کرے، اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔اس سے

اونچی جگہ پر نہ بیٹھے مجلس میں اس کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے؛ اِدھر اُدھر مشغول نہ ہو، اس کہ مجلس میں کسی سے بات چیت نہ کرے۔

(۵) جس قدر ہو سکے، شیخ کی خدمت میں رہنے کی کوشش کرے، بلاضرورت اس سے الگ نہ ہو۔

(۶) اس کی ناراضی وخفگی سے کے اسباب سے بچنا چاہئے۔

بہرحال اس نازک واہم رشتہ کواس کی نزاکتوں کے ساتھ نباہنا چاہئے۔

شیخ سے استفادہ کا طریقہ

شیخ سے استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے حالات (اچھے یا بُرے) سب کے سب پوری امانت ودیانت کے ساتھ شیخ کے سامنے رکھدے، اوراس امید پر نہ رہے کہ شیخ کو کشف ہو جائے گا۔ یا الہام سے پتہ چل جائے گا۔ کیونکہ اولاً تو شیخ کو کشف و الہام ہونا ضروری نہیں۔ (جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے) اوراگر ہو بھی تو ضروری نہیں کہ شیخ اس کے بھروسہ کسی کا علاج کرے۔ لہذا سالک کو چاہیئے کہ پوری امانت داری سے اپنے حالات شیخ کے سامنے رکھ دے۔ اوراس میں کوتاہی نہ کرے۔

بعض لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں مگر کوئی اصلاحی تعلق اپنے شیخ سے نہیں رکھتے ایسی بیعت نام کی بیعت ہے؛ اصل بیعت یہی ہے کہ شیخ سے اصلاحی تعلق رکھے اور اپنے احوال پیش کرکے، اصلاح کا طالب ہو، اور شیخ کی باتوں پر عمل کرے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ایک مرید نے جب کچھ دنوں اپنے حال احوال سے مطلع نہیں کیا، تو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کو یہ خط لکھا کہ:

''برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی، آپ نے سنا نہیں کہ مشائخ اس مرید کو جو تین دن تک اپنے احوال و واقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے۔ کفِ پا'' فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ

ہوا ہوا، پھر ایسا نہ کریں اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں۔(۱)

معلوم ہوا کہ شیخ کو اپنے احوال کی اطلاع اور پھر اس کی اتباع، مرید کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ روز بروز روحانی ترقی کرتا رہے۔

اس کو یوں سمجھا جائے جیسے مریض، اپنے احوال و بیماری کے حالات ڈاکٹر وطبیب کو بتاتا ہے؛ اور اس میں کوئی عار و شرم محسوس نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی شرم کر کے، ڈاکٹر کو اپنی بیماری نہ بتائے، تو کبھی اس کا علاج نہیں ہوسکتا: مثلاً ایک آدمی بیمار ہو اور وہ ڈاکٹر کے پاس جائے مگر ڈاکٹر کو اپنی بیماری نہ بتائے بلکہ اس کے برخلاف، یہ بتائے کہ میں بڑا تندرست ہوں، مجھے کوئی بیماری نہیں ہے تو کیا ڈاکٹر اس کا علاج کرے گا؟ ہرگز نہیں، اسی طرح اگر کوئی مرید اپنے روحانی امراض واحوال نہ بتائے تو شیخ اس کا کیا علاج کرے گا؟ اور اگر مرید خدانخواستہ بیماری کو چھپا کر، اپنا صحت مند و تندرست ہونا، ظاہر کرے تو یہ اور خطرناک ہے۔ غرض یہ کہ یہ سلوک کا راستہ دراصل ایک طب روحانی ہے، اور شیخ معالج و ڈاکٹر ہے اور مرید مریض ہے، لہذا مریض کو چاہئیے کہ اپنے احوال وامراض کی شیخ کو اطلاع کر کے اس سے علاج معلوم کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

حضرات صحابہ کرام، رسول ﷺ سے اسی طرح اپنے احوال پیش کر کے اصلاح چاہتے تھے۔

مثلاً حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز وقرأت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور نماز کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ (یعنی وسوسہ ڈال کر خشوع وخضوع میں اور وظائف نماز میں گڑبڑ کر دیتا ہے)۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک شیطان ہے جس کو خنزب کہا

(۱) مکتوب: ۱/۲۲۳

جاتا ہے۔ پس جب اس کو محسوس کرو تو اللہ کی پناہ چاہو، اور اپنے بائیں طرف تین بار تھتکار دو، حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو وہ شیطان مجھ سے دور ہو گیا۔(۱)

ایک دفعہ چند اصحاب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے دل میں ایسے ایسے وسوسے اور خیالات پاتے ہیں کہ ان کو زبان پر لانا بہت بڑے گناہ کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان کی علامت ہے۔ (پریشان نہ ہونا چاہئے۔(۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک آدمی چھپ کر عمل کرتا ہے اور جب لوگ اس پر مطلع ہو جاتے ہیں تو اس پر اس کو خوشی ہوتی ہے۔ (کہیں یہ اخلاص کے خلاف تو نہیں؟) آپ نے فرمایا کہ اس کو دو اجر ملیں گے ایک چھپا کر عبادت کرنے کا، دوسرا اس کے ظاہر ہو جانے کا۔(۳)

علماء نے لکھا ہے کہ دو اجر اس لیے کہ ایک تو وہ عبادت کو اخلاص کی وجہ سے چھپاتا رہا۔ دوسرے اس لیے کہ وہ ظاہر ہو گئی تو اس سے دوسروں کو ترغیب کا فائدہ ہوا۔ غرض یہ کہ صحابہ کرام اپنے احوال پیش کر کے اس کا حل چاہتے؛ ایسے متعدد واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

(احقر نے اس پر ایک مضمون ''اصلاح باطن احادیث کی روشنی میں'' کے عنوان سے مرتب کیا ہے جو آئینہ مظاہر علوم سہارنپور میں قسطوار شائع ہو رہا ہے۔)

بہر حال سالک کو اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے، حضرت عزیز الحسن مجذوبؒ نے اپنے اشعار میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول پیش کیا ہے؛ جس کو یاد رکھنا چاہئے۔

(۱) مسلم: ۴۰۸۳، احمد: ۱۷۲۲۴ (۲) مسلم: ۱۰/۱۸۸، ابوداؤد: ۴۴۴۷، احمد: ۹۳۱۷ (۳) ترمذی: ۲۳۰۶، ابن ماجہ: ۴۲۱۶

چار شرطیں لازمی ہیں استغاضہ کے لیے
اطلاع و اتباع واعتقاد وانقیاد
یہ مقفّی قول ہے، رنگین بھی سنگین بھی
حضرت مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

اس کی شرح بندہ نے ''شفاء القلوب'' میں لکھدی ہے۔ وہاں دیکھا جائے۔

راہِ سلوک سے مقصود، رضاء الٰہی ہے

سالک کو اس راہ پر چلنے سے مقصود، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء ہونا چاہیئے۔ کوئی اور چیز مقصود نہ ہونا چاہیئے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

''إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلىٰ دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوْ إِمْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلىٰ مَاهَاجَر إِلَيْهِ''(۱)

(ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے: اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے تو اس کی ھجرت اللہ و رسول کی طرف ہے۔ اور جو دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ھجرت کرے تو اس کی ھجرت اسی کی طرف ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی)۔

لہٰذا راہِ سلوک پر چلنے سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی و رضا ہونا چاہئے نہ کہ کچھ اور، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ ؎

تجھ سے کوئی کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا

(۱) بخاری: ۱، مسلم: ۳۵۳۰، ترمذی: ۱۵۷۱، نسائی: ۷۴، ابوداؤد: ۸۸۲، ابن ماجہ: ۴۲۱۷، احمد: ۱۶۳

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سلوک کو طے کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے سارے دنیوی کام بن جائیں گے؛ کرامت ظاہر ہونے لگے گی، بیٹھے بیٹھے سارے مسئلے حل ہوجائیں گے۔ وغیرہ، مگر یہ بات دل سے نکالکر صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کرنا چاہیئے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کرامت بھی دیدیں اور سارے مسئلے حل کر دیں تو یہ ان کا انعام ہے۔ مگر سالک کو اس نیت و مقصد سے سلوک میں لگنا نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان باتوں کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

مرشدی حضرت مسیح الامتؒ نے ''شریعت و تصوف'' میں فرمایا کہ:

''جب حقیقت سلوک معلوم ہوگئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس میں نہ کشف و کرامات ضروری ہیں، نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے، نہ دنیا میں کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جایا کریں، یا مقدمات، دعا سے فتح ہوجائیں، یا روزگار میں ترقی ہو، یا جھاڑ پھونک تعویذات سے بیماری جاتی رہے یا ہونیوالی بات بتلادی جایا کرے۔ نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی ازخود اصلاح ہوجائے؛ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آئے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں، مرید کو ارادہ نہ کرنا پڑے، یا ذہن و حافظہ بڑھ جائے، نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی میعاد کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے؛ عبادت میں کوئی خطرہ ہی نہ آوے، یا یہ کہ خوب رونا آوے، ایسی محویت ہوجائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے، اور نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا، نہ کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے، نہ اچھے خوابوں کا نظر آنا، یا الہامات کا ہونا ضروری ہے۔ بس اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے اسی کو پیشِ نظر رکھے۔ (۱)

غرض یہ کہ اس راہ میں سوائے رضاء الٰہی کہ کوئی چیز مقصود نہیں، بعض سالکین

(۱) شریعت و تصوف: ۱/۱۰۳،۱۰۴

کیفیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، کہ ہم کو رونا آئے عبادت میں لذت ومزہ آئے وغیرہ یہ بھی مقصود نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ دیدیں تو شکر کرنا چاہئے، ورنہ ان چیزوں کو مقصود سمجھکر ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

کیونکہ یہ اخلاص کے منافی وخلاف ہے؛ اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

احوال وکیفیات مقصود نہیں

اس راہ میں چلنے والے کو بعض اوقات اور خاص طور پر ابتداء میں کچھ کیفیات پیش آتی ہیں۔ مثلاً نماز وذکر وتلاوت میں خوب جی لگنا، اور مزہ ولذت آنا، اپنی پچھلی حالت پر اور اپنے گناہوں پر رونا آنا وغیرہ، سالک کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ ساری کیفیات محمود تو ہیں مگر اس راہ کا مقصود نہیں ہیں، مقصود تو رضاء الٰہی ہے اور اس کا راستہ ایمان واعمال ہیں، اگر ایک بندہ ہرحال وصورت میں اللہ کے لیے شرعی اعمال بجالاتا رہے، تو اس کو ضرور وہ مقصود اعظم یعنی رضاء الٰہی حاصل ہوگی۔ خواہ یہ کیفیات حاصل ہو یا نہ ہوں؛ اگر سالک ان کیفیات کو مقصود سمجھ کر، ان کے پیچھے پڑ گیا۔ تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کیفیات کے حاصل نہ ہونے پر مایوس ہوکر اصل کام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے کیفیات کے بجائے اعمال پر نگاہ رکھنا چاہئے۔ ہاں اگر کیفیات بھی اعمال کے ساتھ حاصل ہو جائیں تو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث پیش نظر رکھنا چاہئے۔ حضرت حنظلہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ حنظلہؓ منافق ہوگیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا سبحان اللہ! تم کیا کہتے ہو؟ حضرت حنظلہؓ نے فرمایا کہ جب ہم رسول ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ گویا ہم ان چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب بیوی بچوں اور کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ حالت نہیں

رہتی، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بخدا میں بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہوں، پھر دونوں حضرات نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ بات جو دل کو کھٹک رہی تھی، بیان کی، تو آپ نے فرمایا کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَدُوْ مُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَ فِیْ الذِّکْرِ لَصَا فَحَتْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُ قِکُمْ وَلٰکِن یَا حَنْظَلَۃُ! سَاعَۃً وَسَاعَۃً (ثَلٰثَ مَرَّاتٍ)

(ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر تم اس کیفیت پر ہمیشہ رہو، جو میرے پاس ہوتی ہے اور ذکر کے وقت ہوتی ہے، تو تم سے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں، فرشتے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہؓ! یہ (کیفیت) کبھی کبھی ہوتی ہے (یا کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی) تین بار فرمایا۔(۱)

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہوجاتے ہیں اور ہم دنیا سے بیزار ہو جاتے ہیں اور اہل آخرت میں سے ہوجاتے ہیں۔ مگر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے اور اپنے اہل وعیال میں مشغول ہوجاتے ہیں تو پھر ہم اپنے آپ کو بھی بُھلا بیٹھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس تم جس حالت میں ہوتے ہو، یہاں سے جانے کے بعد بھی اسی حالت پر باقی رہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں آکر تمہاری زیارت کریں۔ (ایک روایت میں مصافحہ کا ذکر ہے)(۲)

حضرت حنظلہؓ کی حدیث پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فائدہ لکھا ہے کہ:

''سالکین اس سے پریشان ہوجاتے ہیں کہ ہماری فلاں حالت ضعیف ہوگئی،

(۱) مسلم: ۴۹۳۷، مشکوۃ: ۱۹۷، ترمذی: ۲۴۳۸، ابن ماجہ مختصر: ۴۲۲۹ احمد: ۱۶۹۴۹، واللفظ لمسلم

(۲) ترمذی: ۲۴۴۹، احمد: ۷۷۰۰، مسندی حمیدی: ۱۱۵۰

یا فلاں کیفیت زائل ہوگئی۔شاید ہم کو تنزل ہو گیا ہو،اور اس سے مایوس ہو کر شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔شیوخ کاملین نے ان کی غلطی رفع کرنے کے لیے تحقیق فرمادیا ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا بالخصوص مبتدی کہ اس کو بہت تغیر وتبدل پیش آتا ہے جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تمکین کی بھی حالت میں ان کے مرتبہ کے موافق تفاوت ہوتا ہے۔اس حدیث سے اس کا بھی اثبات ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک ساعت کیسی،ایک ساعت کیسی غرض یہ لوازم سلوک سے ہے۔مُضر نہیں۔اس سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔(۱)

غرض یہ کہ سالک کو اعمال پر نظر رکھنا چاہیئے،احوال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ احوال و کیفیات غیر اختیاری چیزیں ہیں اور اعمال اختیاری ہیں۔اور پوری شریعت کا مدار افعال واعمال اختیار یہ پر ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک صاحب کے خط کے جواب میں 'اس راہ سلوک کا خلاصہ نہایت جامع الفاظ میں لکھا اور اس تحریر کا نام ''**الطّم فی السّم**''،رکھا وہ یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا کہ:

''تمام اصلاح کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کاموں کے پیچھے نہ پڑے جو اس کے اختیار اور قبضہ میں نہ ہوں اور ایسے کاموں میں سستی نہ کرے جو اس کے اختیار اور قبضہ میں ہوں۔بلکہ اپنی ہمت سے کام لے، اور اگر ہمت کے باوجود پھر بھی کچھ کوتاہی ہو جائے تو حق تعالےٰ سے معافی چاہے اور آئندہ کے لیے توبہ کرے۔اور یہ دعا کرے کہ

اے اللہ! مجھے اس کمی کو پورا کرنے کی توفیق دے اسی کا نام اصلاح ہے۔(۲)

اس سلسلہ میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے یہ اشعار بھی یاد رکھنا چاہیئے۔

(۱) التکشف:۲۶۵ (۲) ماخوذ از تسہیل قصد السبیل:۵۶

فرماتے ہیں ؎

لگا رہ اُسی میں جو ہے اختیاری
نہ پڑ امر غیر اختیاری کے پیچھے
عبادت کئے جا مزہ گو نہ آئے
نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

نیز فرمایا کہ ؎

دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں ☆ اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر ☆ تیرا فرض تو ہے دل لگانا

اس فصل کے آخر میں یہ بات عرض کردوں کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، جب وہ چاہتے ہیں تو کیف وحال کے ذریعہ ترقی دیتے ہیں۔اور جب چاہتے ہیں، بلا کیف وحال کے ترقی دیتے ہیں اس لیے ہر حال میں ترقی کی فکر کرے اور عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی کے یہ اشعار پڑھ لیا کرے ؎

بے کیفی میں بھی ہم نے تو ایک کیف مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے جاتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے

اللہ ورسول کی محبت اس راہ کی کنجی ہے

سالک کی ترقی کا ایک بڑا زینہ اور اہم ذریعہ و وسیلہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت شدیدہ ہے، اسی لیے اس کا حکم دیا گیا ہے۔اور اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔اور تمام چیزوں کی محبت پر اللہ ورسول ﷺ کی محبت کو غالب رکھنے حکم ہے۔

ایک جگہ قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ آبَاءُ كُمْ وَاَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَاد ٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾[توبہ:۲۴]

(ترجمہ: آپ (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ وخاندان، اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے گھاٹے کا تم کو خطرہ ہے، اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (یہ ساری چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ومحبوب ہوں، تو تم منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں؛ (یعنی تم پر عذاب آجائے) اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''الفاظ آیت کا عموم تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس درجہ ہونا لازم وواجب ہے کہ دوسرا کوئی تعلق اور کوئی محبت اس پر غالب نہ آئے اور جس نے اس درجے کی محبت پیدا نہ کی وہ مستحق عذاب ہو گیا، اس کو عذابِ الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔(۱)

اس سلسلہ کی بعض حدیثیں شروع رسالہ میں پیش کی جا چکی ہیں۔ جن میں اللہ کے رسول سے محبت کو کمال ایمان کا لازمہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ا کی ایک دعا ہے جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے محبت غالبہ وشدیدہ کا سوال کیا ہے؛ محبت کے پیدا ہونے میں اس دعا کو عجیب تاثیر حاصل ہے؛ وہ یہ ہے:

(۱) معارف القرآن:۴/۱۱۰

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْیَتَکَ اَخْوَفَ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ وَاقْطَعْ عَنِیّ حَاجَاتِ الدُّنْیَابِالشَّوْقِ اِلٰی لِقَائِکَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْیُنَ اَهْلِ الدُّنْیَا مِنْ دُنْیَاهُمْ فَأَقْرِرْ عَیْنِیْ مِنْ عِبَادَتِکَ''(۱)

(ترجمہ: اے اللہ تیری محبت، میرے نزدیک تمام چیزوں کی محبت سے زیادہ محبوب بنادے اور تیرا خوف میرے نزدیک تمام چیزوں کے خوف سے زیادہ کردے اور تیری ملاقات کا شوق دیکر دنیا کی حاجات کو مجھ سے منقطع کردے اور جب تو دنیا والوں کی آنکھوں کو دنیا دیکر ٹھنڈا کرتا ہے تو میری آنکھوں کو تیری عبادت سے ٹھنڈک عطا فرما۔)

جب بندہ کو اللہ و رسول کی شدید محبت حاصل ہوجاتی ہے تو پھر اس کو ایمانی حلاوت و مٹھاس مل جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

''تین چیزیں جس میں پائی جائیں، وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حلاوت پائے گا؛ ایک یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول تمام اور چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں: دوسرے یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہو: تیسرے یہ کہ کفر کی طرف واپس جانا اس کو ایسا برا اور مکروہ معلوم ہو جیسے کہ اس کو آگ میں ڈالا جانا مکروہ معلوم ہوتا ہے''

یہ ایمانی حلاوت جو اللہ و رسول کی محبت پر عطا ہوتی ہے: وہ کیا چیز ہے؟ علماء نے اس کی تفسیر میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱) استلذاذ الطاعات.

(۲) تحمل المشاق في الدين.

(۳)ایثار الدين على اَعراض الدنيا. (۲)

(۱) کنز العمال:۴/۹۰ حدیث:۳۶۴۵ (۲) فتح الباری:۱/۶۱، فیض القدیر:۳/ مرقات

اس کی شرح یہ ہے کہ حلاوتِ ایمان تین چیزوں کا نام ہے! ایک یہ کہ طاعتوں اور عبادتوں میں لذت ومزہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ نماز میں، تلاوت میں، ذکر میں اور دیگر طاعتوں میں عجیب لذت ومٹھاس معلوم ہوتی ہے؛ کسی نے اسی کو کہا ہے ؎

اللہ اللہ چہ شیریں است نام
شیر و شکر شود جانم تمام

دوسری چیز یہ کہ دین کے سلسلہ میں مشقتوں کو برداشت کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ اور گناہوں سے بچنے میں جو کلفت اور لوگوں کو معلوم ہوتی ہے وہ کلفت یہ بڑی آسانی سے برداشت کرلیتا ہے۔ بلکہ اس کو اس میں مزہ آتا ہے۔

اور وہ بزبان حال یوں کہتا ہے ؎

قیود شرع پہ واللہ سو آزادیاں قربان
کہاں یہ حظ نفسانی کہاں وہ لطف روحانی

اور تیسری چیز یہ کہ دین کو دنیا کے مال ومتاع اور چیزوں پر وہ ترجیح دیتا ہے اس کی نظر میں دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہ لاکھوں روپیوں اور اسباب عیش و سامانِ فخر کو دین کی خاطر لات ماردیتا ہے؛ اس لیے کہ اس کو اللہ ورسول کی محبت حاصل ہے اس محبت میں وہ ہر چیز کو قربان کرسکتا ہے۔

غرض یہ کہ سالک کے لیے قریب ترین راستہ محبتِ الٰہی ومحبت نبوی کا راستہ ہے۔ مگر اس سے مراد محض دعویٰ ونعرہ نہیں ہے بلکہ سچی محبت ہے۔ اور سچی محبت کی کچھ علامات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کی پیروی اور اتباع کی جائے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا ہے کہ:

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَ اَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ ☆ وَ ھٰذا لَعُمْرِی فِی الْقِیَاس بَدِیْعُ

لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقاً لَا طَعْتَـهُ ☆ فَـاِنَّ المُحِبَّ لِمَنْ یُحِبُّ مُطِیْـعُ

(ترجمہ: یعنی تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس سے محبت کا اظہار بھی کرتا ہے، یہ قسم ہے کہ عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا کیونکہ محبّ اپنے محبوب کا تابعدار ہوتا ہے)۔

لہٰذا محض دعویٔ محبت نہیں، بلکہ سچی و پکی محبت کے ساتھ اللہ و رسول کے احکام پر چلنا اور ان کی نافرمانی سے بچنا چاہئے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ اللہ و رسول کا ذکر کیا جائے، مشہور ہے:

''مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَهٗ'' (یعنی جو کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے)

لہٰذا اللہ کا ذکر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کرتے رہنا چاہئیے، اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کو بھی ہر موقعہ پر یاد کر کے آپ کے افعال و اعمال بلکہ احوال میں بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ایک علامت یہ ہے کہ اللہ و رسول کی تعظیم کی جائے، اور دین کی تعظیم کی جائے۔

ایک علامت یہ ہے کہ اللہ والوں اور رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں سے بھی محبت رکھی جائے اور اللہ و رسول سے دشمنی کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھی جائے: اور ان سے تعلق نہ رکھا جائے۔

یہ سب علامات قرآن و حدیث میں مذکور ہیں ہم نے اختصار کے پیش نظر اجمالاً ان کا ذکر کیا ہے۔

بہر حال جب ایسی سچی محبت ہوگی تو ان شاء اللہ سالک ترقی کرے گا اور اس کی برکت سے جلد ہی منزل پر پہنچ جائے گا۔

قرب فرائض وقرب نوافل

سالکین کا اس راہ سے مقصود چونکہ قربِ حق ہوتا ہے، لہذا ان کو سمجھنا چاہئیے کہ اللہ تعالےٰ کا قرب فرائض و واجبات کی ادائیگی و بجا آوری پر موقوف ہے۔ اس قرب کو قرب فرائض کہتے ہیں؛ پھر مزید قرب نوافل کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کو قرب نوافل کہتے ہیں؛ سالک کو دونوں قسم کے قرب کی جستجو کرنا چاہئیے۔ حدیثِ پاک میں ان دونوں قسم کے قرب کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰے قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَاتَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّاافْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلَ حَتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهَ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَاوَاِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَ نِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ". الخ(۱)

(ترجمہ: اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھتا ہے، میں اس کو جنگ کا اعلان دیتا ہوں۔ اور میرا بندہ میری طرف کسی بھی ایسی چیز سے تقرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان چیزوں سے زیادہ پسند ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ اور بندہ میری طرف نوافل کے ذریعہ برابر تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں ضرور بالضرور اس کو عطا کرتا

(۱) بخاری الرقاق: ۶۵۰۲، ابن حبان: ۳۴۷، بیہقی: ۱۵۶/۴، الزھد الکبیر: ۲۶۹/۲

ہوں اور جب وہ مجھ سے پناہ چاہتا ہے تو ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں)۔

اس میں قرب فرائض وقرب نوافل دونوں کا ذکر کیا گیا ہے؛ قرب فرائض کا مدار فرائض کی پابندی پر ہے؛ فرائض سے کیا مراد ہے؟ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ مراد وہ چیزیں ہیں جو ضروری قرار دی گئی ہے، خواہ وہ اوامر کا امتثال ہو یا زواجر یعنی ناجائز کاموں سے پرہیز ہو۔(۱)

مطلب یہ ہوا کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کو انجام دینا اور جن باتوں سے منع کیا گیا ہے ان سے بچنا، فرض وضروری ہے، جب بندہ اوامر کی پابندی اور ناجائز کاموں سے پرہیز کرے گا تو قرب فرائض میسر آئے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر صرف نیک کام عبادات وغیرہ تو کرتا ہو، مگر حرام کاموں سے پرہیز نہ کرتا ہو تو اس کو قرب حاصل نہیں ہوسکتا یہ تو قرب فرائض ہے۔

اور قرب نوافل، نوافل ومستحبات وسنتوں کی پابندی سے حاصل ہوگا؛ اور نوافل میں خواہ نفل نماز ہو یا ذکر واذکار، تلاوت، ہو یا کسی پر احسان ہو یا حُسن اخلاق کی باتیں ہوں، وغیرہ سب نوافل میں داخل ہیں؛ جب بندہ ان امور کی پابندی کرتا ہے تو اس کو مزید قرب عطا کیا جاتا ہے جس کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

اور اس تقرب پر بندہ کو اللہ کی محبت عطا ہوتی ہے؛ جس کی تین علامتیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) ایک یہ فرمایا کہ ''میں اس کے کان' آنکھ اور ہاتھ پیر بن جاتا ہوں' 'اس کا مطلب کیا ہے؟ اس میں علماء نے تفصیلی کلام کیا ہے؛ راجح قول پر اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب بندہ برابر نوافل کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ بندہ کی گناہوں سے حفاظت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ پیر اور آنکھ وکان سے صرف وہ افعال واعمال

---

(۱) مرقات: ۵/۵۴

صادر ہوتے ہیں جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوں، اور اللہ کی ناراضی کے اعمال و افعال سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔لہذا وہ کان سے صرف وہ بات سنے گا۔جو اللہ کو پسند ہے اور آنکھ سے وہی دیکھے گا جو اللہ کو منظور ہے اور ہاتھ سے وہی چیز پکڑے گا جو اللہ چاہتا ہے اور پیر سے اسی طرف چلے گا جہاں اللہ کی رضا ہے۔(۱)

غرض یہ کہ اس قرب کے نتیجہ میں، وہ اللہ کی مرضی وخوشنودی ہی کو مقصود زندگی بنائے گا۔اور اپنے تمام اعضاء وجوارح کو اللہ کی مرضیات ہی کے لیے استعمال کرے گا،اور نامرضیات اور گناہوں سے بچائے گا۔

ایک سوال کا جواب:

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اس حدیث میں صرف چار اعضاء (کان، آنکھ، ہاتھ و پیر) کا ذکر کیوں ہے، دیگر اعضاء کا ذکر کیوں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں دیگر اعضاء کا ذکر بھی آیا ہے۔چناچہ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں زبان اور دل کا ذکر بھی ہے، اسی طرح حضرت ابوا مامہ اور حضرت میمونہ کی احادیث میں بھی ان کا ذکر ہے۔(۲)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عموماً انسان کا کاروبار، انہی چار اعضاء سے ہوتا ہے۔لہذا ان کی تخصیص کی گئی۔(۳)

دوسری علامت یہ بتائی گئی کہ یہ محبوب بندہ، اللہ سے جو مانگتا ہے، اللہ تعالےٰ اس کو عطا فرماتے ہیں، اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ بہت سے اللہ کے مقرب بندے دعا کرتے ہیں مگر جو مانگتے ہیں وہ ان کو نہیں ملتا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیت دعا کے مختلف انداز ہیں۔کبھی تو بعینہ وہی مطلوبہ چیز عطا کر دی جاتی ہے اور

---

(۱) مرقات:۵/۵۵، فتح الباری:۱۱/۳۴۴، الاسماء والصفات للبیہقی:۲/۲۵۱، جامع العلوم والحکم:۱/۳۶۶ (۲) نوادرالاصول:۲/۲۳۳، فتح الباری:۱۱/۲۴۴ (۳) الاسماء والصفات:۲/۳۵۱

کبھی اس کے بجائے اس سے بہتر کوئی چیز دیدی جاتی ہے۔اور کبھی اس دعا کی برکت سے کسی مصیبت سے بچالیا جاتا ہے۔اور کبھی اس دعا کو آخرت کے لیے رکھ دیا جاتا ہے، ایک حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری وا بو ہریرہ نے تو روایت کی ہے، قبولیت دعا کے تین طریقے مذکور ہیں ؛ یا تو وہ چیز عطا کی جاتی ہے یا آخرت کے لیے اس دعا کو ذخیرہ بنادیا جاتا ہے یا کسی برائی کو دفع کر دیا جاتا ہےاور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں گناہ دور کرنے کا ذکر ہے۔(۱)

تیسری بات یہ فرمائی کہ یہ بندہ اگر اللہ سے پناہ چاہتا ہےتو اللہ تعالےٰ اس کو ضرور پناہ عطا فرماتے ہیں،یعنی جن خوفناک چیزوں سے وہ پناہ چاہتا ہے چاہے وہ دنیا کی ہوں یا آخرت کی اللہ تعالےٰ اس کوان چیزوں سے پناہ عطا فرماتے ہیں۔

سالک نتائج کی فکر نہ کرے

سالک کے لیے ایک بہت ہی اہم وضروری بات یہ ہے کہ وہ رضاءِ الٰہی کو اپنے اعمال وعبادات ومجاہدات کا ثمرہ سمجھ کر، مسلسل کام میں لگا رہے،اورنتائج کی فکرو جستجو میں نہ پڑے، بہت سے سالکین اس فکر میں پڑ کر ہلاک ہو چکے ہیں کیونکہ شیطان اس ذریعہ سے مایوسی پیدا کر کے کام سے معطل کر دیتا ہے،حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے یہ اشعار ہمیشہ پیش نظر ہونا چاہیے ؎

ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یونہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یونہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در،اس پہ ہو کیوں تیری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

(۱)احمد عن ابی سعید خدری:۱۰۷۰۹،ترمذی عن ابی ھریرہ:۳۵۳۱

نیز فرمایا ؎

سوچ ماضی کو نہ استقبال کو
ٹھیک رکھ تو تو بس اپنے حال کو
کیا ہوا کیا ہوگا۔ اس غم میں نہ پڑ
تو عبث سر لے نہ اس جنجال کو

بندے کا کام لگا رہنا ہے، نتائج کا مرتب کرنا۔ اللہ کا کام ہے۔ اگر بندہ اپنا کام برابر کرتا رہے گا۔ تو کسی نہ کسی وقت ضرور، اللہ تعالےٰ کا در کھلے گا۔ اور اس کو نواز دے گا۔ مگر بندہ کو اس فکر میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کو اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے، یہی دراصل حقیقی بندگی و غلامی ہے۔

راہِ سلوک کی رکاوٹیں

ایک اہم بات سالک کو سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ کہ اس راہ میں بھی مختلف قسم کے چور اور ڈاکو ہیں جو سالک کا متاعِ ایمان و عمل چھین کر، اس کو ہلاک کر دیتے ہیں، ان سے سالک کو بہت چوکنا رہنا چاہیئے اور یہ بہت سی چیزیں ہیں، اور علماءِ سلوک نے ان پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ ہم یہاں صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں، علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الفوائد'' میں اس پر عمدہ کلام کیا ہے، ہم اسی کو یہاں اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ سیر الی اللہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بڑے دھوکے اور راستہ کو قطع کرنے والی چیزیں پیش آتی ہیں۔ پہلے اس کو شہوتوں ولذتوں بڑے بڑے عہدوں، لباس و پوشاک سے دھوکہ لگتا ہے۔ اگر وہ ان چیزوں میں پھنس کر اسی پر رک گیا تو اس کا راستہ منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اگر ان چیزوں کو ٹھکرا کر آگے بڑھ گیا، اور اپنی خدا طلبی میں سچا رہا، تو اب دوسری طرح کی آزمائش وابتلاء

پیش آتا ہے، وہ یہ کہ لوگ اس کے پیچھے چلنے لگیں، ہاتھوں کو بوسہ دیا جانے لگے، کسی جگہ پہنچے تو لوگ اس کو اعزاز واکرام سے جگہ دینے لگیں، دعا کے سلسلہ میں لوگ اس کی طرف اشارہ کرنے لگیں کہ یہ مستجاب الدعاء ہے۔ اوراس کی برکت کی امید کی جانے لگے وغیرہ۔ سالک ان باتوں سے متاثر ہوکر، انہی چیزوں کو منزل سمجھا اوراسی پر رک گیا تو اللہ کا راستہ منقطع ہو جائے گا۔ اوراس کی ریاضت وعبادت کا یہی چند دنیوی وحقیر چیزیں نتیجہ بنیں گی۔ اوراگر وہ یہاں نہیں ٹہرا بلکہ ان چیزوں کو لات مارکر آگے بڑھ گیا۔ تو پھر کشف وکرامات وغیرہ کے ذریعہ اس کی آزمائش ہوتی ہے، سالک اگرانہی چیزوں کو مقصد سمجھ کر رک گیا تو وہ اللہ سے کٹ جائے گا۔ اوریہی کشف وکرامات اس کا حصہ ونصیبہ ہونگے۔ اوراگر وہ یہاں بھی نہ رکا، اورآگے بڑھ گیا، تو پھرایک اورطرح آزمائش ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کو خلوت وتنہائی سے اُنس، جمعیت قلب ویکسوئی خاطر کی لذت، اوردنیا سے فراغت دیکراس کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اگروہ انہی چیزوں کو منزلِ مقصود سمجھ کر، یہیں رک گیا تو اللہ تعالےٰ سے کٹ کررہ جائے گا۔ اوراگر یہاں بھی نہ رکا، اوراللہ کی رضاومراد کی طرف نظر کرتے ہوئے چلتا رہا، تا کہ وہ اللہ کا غلام ہوجائے اور ہرجگہ اور ہرحالت میں اللہ تعالےٰ کی مرضیات و پسندیدہ چیزوں پرقائم ہوجائے، خواہ وہ تعب وپریشانی میں ہو یا آرام وراحت میں، چاہے وہ نعمتوں ولذتوں میں ہو یا غم والم میں، چاہے اس کو لوگوں میں مشہور کیا جائے یا لوگوں سے مستور رکھا جائے، وہ اپنے لیے کسی خاص حالت کو اختیار نہیں کرتا۔ سوائے اس حالت کے جواس کا خدا اس کے لیے پسند کرے۔(۱)

اس تفصیل نے بتادیا کہ اس راستہ میں راہ کو قطع کرنے والی اورآزمائش کرنے والی بہت سی باتیں پیش آتی ہیں، مگر سالک کو چاہئے کہ وہ کسی طرف کو بھی نظر ڈالے بغیر صرف اللہ کی طرف نظر کرتا ہوا چلتا رہے۔ اس کے سوا کسی بھی منزل کو منزل نہ

(۱)الفوائد:۱۹۴

سمجھے، مولانا روم نے فرمایا ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
آنچہ بروے میرسی بروے مایست

سالک کے لیے اہم کتابیں

سالک کو دینی و اصلاحی کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔مگر اس سلسلہ میں اپنے شیخ سے مشورہ کر لینا چاہئے تا کہ مفید کتابیں ہی نظر سے گذریں، آج کل بہت سے بد دین وملحد اور جاہل لوگوں کی کتابیں بھی بازار میں چلتی ہیں۔ اور عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ ان کو پھیلایا جاتا ہے۔لہٰذا مطالعہ کرنے میں احتیاط لازم ہے، سالک کے لیے ایک مختصر سی فہرست لکھی جاتی ہے، جو ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

(۱) تفسیر معارف القرآن　(مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
(۲) معارف الحدیث　(مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ)
(۳) ترجمہ ریاض الصالحین　(علامہ نوویؒ)
(۴) بہشتی زیور　(پانچ حصے)
(۵) مواعظ وملفوظات　(حضرت تھانویؒ)
(۶) مواعظ وملفوظات　(حضرت مسیح الامتؒ)
(۷) مواعظ وملفوظات حضرت شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم
(۸) معارف مثنوی　(حکیم اختر صاحب)
(۹) قصص الاولیاء　(مترجم حضرت تھانوی)
(۱۰) شریعت وتصوف　(حضرت مسیح الامتؒ)

نوٹ :تفسیر وحدیث بہتر ہے کہ کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور اگر کوئی عالم نہ مل سکیں تو روزانہ دو چار صفحے پڑھ لیں اور جو مقام سمجھ میں نہ آئے اس کو نشان لگا کر رکھ لیں۔ جب کوئی عالم ملیں تو ان سے پوچھ لیں۔

معمولات سالک

سالک کی ترقی کا ایک اہم اور بڑا ذریعہ وزینہ، معمولات کی پابندی ہے۔ یہاں چند ابتدائی معمولات، ذکر کئے جاتے ہیں، اصل تو یہ ہے کہ طالب وسالک شیخ سے رجوع کر کے اپنے لیے معمولات مقرر کرے۔ اور حسب استعداد، وحسب ضرورت ومصلحت، شیخ اس کے لیے معمولات بتائے۔ اور کمی وبیشی کرتا رہے، یہاں چند عام معمولات ذکر کئے جاتے ہیں۔

نماز باجماعت کا اہتمام

پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرے۔ اور جماعت کا پورا اہتمام کرے اور نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کا التزام کرے، لاپروائی وبے خیالی کے ساتھ ادا نہ کرے۔ کہ یہ منافقین کا طریقہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں منافقین کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی ولاپرائی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ (مائدہ)

اور مومنوں کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْ مِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْن﴾

(ترجمہ: تحقیق کہ مومن لوگ کامیاب ہوگئے جو کہ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں)۔[المومنون:۱-۲]

لہٰذا پوری اہمیت کے ساتھ ،اور بشاشت کے ساتھ نمازوں کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

نمازِ تہجد کا اہتمام

تہجد کا بھی اہتمام کرے، تہجد اگر چہ نفلی نماز ہے۔مگر ہر زمانہ کے اولیاء اللہ کا خاص معمول رہا ہے۔اور یہ تمام نوافل میں سب سے اہم و افضل ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیام لیل (تہجد کی نماز) کو لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ اور تمہارے لیے قرب خداوندی کا ذریعہ ہے اور گناہوں کا کفارہ اور برائیوں سے روکنے والی چیز ہے۔(۱)

لہٰذا اس کی پابندی کرنا چاہئے، اگر چہ دو رکعت ہی سہی، اور جتنا زیادہ ہو، اچھا ہے، تہجد کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت سنت سے ثابت ہیں۔

عجز و نیاز، گریہ وزاری

تہجد کے وقت یا جب بھی موقعہ ہو، اللہ تعالےٰ کے سامنے رونا، گڑگڑانا، عاجزی وانکساری کرنا، ایک بہترین عبادت ہے۔قرآن پاک میں ایک جگہ خاص بندوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

﴿اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَا لْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾[آل عمران:۱۷]

(ترجمہ: جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، عبادت کرنے والے، اللہ کے لیے خرچ کرنے والے اور صبح کے وقت استغفار کرنے والے ہیں)

اللہ تعالےٰ کا عاشق، صبح کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑائے، راتوں کو اٹھکر روئے اور رلائے، یہ اللہ کو پسند ہے، وہ کیا اللہ کا عاشق، جو راتوں میں اس کو نہیں پکارتا اور اس کی یاد میں نہیں روتا۔ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

لَقَدْ هَتَّفَتْ فِیْ جُنحِ اللَّیْلِ حَمَـــامَۃٌ
عــــلٰی فنن وَهنَـــا وَاِنِّی نَــــائِمُ

(۱)مشکوۃ:۱۰۹

كَذَبْتُ وَرَبِّ الْبَيْتِ لَوْ كُنْتُ عَاشِقًا
لَمَا سَبَقَتْنِيْ بِالْبُكَاءِ الحَمَائِمُ
وَاَزْعُمُ اَنِّيْ هَائِمٌ ذُوْ صَبَابَةٍ
لِرَبِّي وَلاَ اَبْكِيْ وَتَبْكِيْ الْبَهَائِمُ

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ کبوتری رات کے حصہ میں ڈالی پر بیٹھ کر روتی ہے۔ اور میں سوتا رہتا ہوں، کعبہ کے رب کی قسم میرا دعوی عشق جھوٹا ہے۔ اگر میں عاشق خدا ہوتا تو، رونے وگڑگڑانے میں کبوتر مجھ پر سبقت نہ کرتے، میرا دعویٰ ہے کہ میں میرے رب کا عاشق ہوں۔ حالانکہ روتا نہیں اور جانور اللہ کے عشق میں روتے ہیں۔

غرض یہ کہ سالک کو ایک معمول یہ بنانا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے روئے گڑگڑائے۔ رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے ''کہ روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالو''(۱)

نیز سالک کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھی رونا چاہئے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ عَبْدٍ مُؤمِنٍ يُخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئاً مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ إلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلىَ النَّارِ''(۲)

(ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو بندۂ مومن کہ اس کی آنکھوں سے اللہ کی ڈر کی وجہ سے آنسو جاری ہوگئے اگر چہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہوں اور وہ اس کے چہرہ پر لگ جائے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کردے گا)

(۱)ابن ماجہ: ۱۳۲۷(۲)ابن ماجہ: ۴۱۸۷، مشکوۃ: ۴۵۸

ذکر اللہ کی عادت

ذکر اللہ کا خوب اہتمام کرے کہ یہ مفتاح سلوک ہے، اور قرآن وحدیث میں ذکر اللہ کی اہمیت وفضیلت بڑے اہتمام سے بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے لیے فضائل ذکر (مصنفہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ) کا مطالعہ کیجئے۔

چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور اپنے کام کاج کے ساتھ ذکر اللہ کی مشق کرنا چاہئے۔ اور حضرات صوفیاء کرام نے اس دوام ذکر کی مشق کے لیے بارہ تسبیح کا معمول تجویز کیا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ 'چارزانو باادب' خشوع وخضوع کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے اور اکیس مرتبہ استغفار پڑھے پھر سات بار درود شریف پڑھے پھر تین مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

''اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا یَا اللّٰہ یَا اللّٰہ یَا اللّٰہ''

(ترجمہ: اے اللہ میرے دل کو غیر اللہ سے پاک کردے اور میرے دل کو تیری معرفت کے نور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منور ومعمور کردے)

اس کے بعد خوب دھیان کے ساتھ دوسو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر اس طرح کرے کہ سر کو سینہ کے بائیں جانب دل کے برابر لاکر ''لا الہ'' کہتے ہوئے سر کو بائیں جانب کندھے کی طرف کر کے ذرا سا جھٹکا دے اور یہ تصور کرے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر پھینک رہا ہوں، پھر ''الا اللہ'' کہتے ہوئے دل پر ہلکی سی ضرب لگائے اور یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آرہی ہے۔ ذکر کے درمیان پانچ دس مرتبہ پر ''محمد رسول اللہ'' ﷺ بھی ملالے، یہ دو تسبیح (دوسو مرتبہ) ہوئیں۔

پھر چار تسبیح (یعنی چار سو مرتبہ) ''الا اللہ'' کا ذکر کرے اور دل پر ہلکی ہلکی

ضرب لگا تا جائے اور اللہ کی محبت کا تصور قائم رکھے۔

پھر چھ تسبیح (چھ سو مرتبہ) ''اللہ اللہ'' کا ذکر کرے۔ اور اس میں سینہ کے دائیں و بائیں دونوں طرف ضرب لگائے۔ یا پہلے لفظ اللہ پر دل پر ضرب اور دوسرے لفظ اللہ پر اوپر کی جانب سر کر کے ضرب لگائے۔

پھر ایک تسبیح (سو مرتبہ) صرف لفظ ''اللہ'' کا ورد کرے اور سینہ پر ضرب لگا تا جائے اور اپنی بے بسی، مجبوری، محتاجی کا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلالت و بزرگی کا تصور رکھے۔

یہ کل تیرہ تسبیحات ہیں مگر عرف میں ان کا نام بارہ تسبیحات ہے۔

انتباہ: اصل مقصود ذکر ہے، اور یہ خاص طریقہ ضرب و شغل کا محض ذکر اللہ کو دل میں اتارنے اور بٹھانے کی ایک تدبیر و ترکیب ہے، جو تجربہ سے مفید و نافع معلوم ہوئی ہے اور اسی وجہ سے صوفیاء و اولیاء اللہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ دین کے اور بہت سے کاموں میں تجربات کی بناء پر ذرائع و وسائل کے درجہ میں کچھ چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے مگر یہ ذرائع و وسائل مقصود نہیں ہوتے، اسی طرح اصل مقصد ذکر اللہ ہے اور یہ اشغال محض ذرائع کے درجہ میں اختیار فرمائے گئے ہیں لہٰذا ان کو مقصود نہ سمجھنا چاہئے اور نہ باعث اجر و ثواب، اجر و ثواب تو ذکر پر ہے اور اس کا وسیلہ ہونے کی بناء پر، ان وسائل پر بھی ہو سکتا ہے۔

ان مذکورہ اذکار کے علاوہ، روزانہ صبح شام تین تین تسبیح کا معمول بنائے ایک تسبیح ''لا الہ الا اللہ'' کی ایک استغفار کی اور ایک درود شریف کی، اور چلتے پھرتے ''لا الہ الا اللہ'' یا اور کوئی ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

تلاوت قرآن مجید کا معمول

قرآن پاک کی تلاوت، افضل الاذکار ہے، اور تعلق مع اللہ اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے، مشہور ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے خواب میں اللہ تعالےٰ کو دیکھا اور پوچھا کہ اے اللہ میں آپ کی قربت چاہتا ہوں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کرو، اس سے میرا قرب حاصل ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّۃِ رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَطَعْمُھَا طَیِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَایَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَۃِ لَارِیْحَ لَھَا وَ طَعْمُھَا حُلْوٌ"(۱)

(ترجمہ: اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، نارنگی کی طرح ہے، جس کی بو بھی پاکیزہ اور مزہ بھی عمدہ ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔ جس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی، مگر مزہ میٹھا ہوتا ہے)

ایک حدیث میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ کَمَا یَصْدَأُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَاءُ؛ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! وَمَاجِلَاءُ ھَا؟ قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ. (۲)

(ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دل اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے جب کہ اس کو پانی پہنچے، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! اس کی صفائی کیا ہے؟ فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کی کثرت سے تلاوت کرنا۔)

---

(۱) بخاری: ۵۴۲۷، مسلم: ۱۳۲۸، ترمذی: ۲۷۹۱، نسائی: ۴۹۵۳، ابوداؤد: ۴۱۹۱، ابن ماجہ: ۲۱۰، احمد: ۸۷۲۸/ دارمی: ۳۲۲۹ (۲) مشکوٰۃ ۱۸۹

غرض یہ کہ تلاوت بڑی اہم چیز ہے، لہذا روزانہ کچھ نہ کچھ تلاوت کا معمول بنانا چاہیئے، غیر حافظ کم از کم پاؤ سیپارہ اور حافظ کم از کم ایک سیپارہ پڑھے۔ اور صبح روزانہ یٰسین شریف اور بعد مغرب سورۂ واقعہ اور سونے سے پہلے سورۂ الٓم سجدہ اور سورۂ ملک اور سوتے وقت آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورۂ قل ھو اللہ احد، سورۂ فلق و سورۂ ناس کا معمول رکھے۔ کہ ان سب کے فضائل احادیث میں وارد ہیں۔ نیز جمعہ کے دن خاص طور پر سورۂ کہف کا اہتمام کرے۔

درود شریف کا اہتمام

روزانہ صبح شام، ایک ایک تسبیح درود شریف کا معمول رکھے۔ اور جمعہ کے دن اس کی خوب کثرت کرے احادیث میں درود شریف کے بہت فضائل آئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

''جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت فرماتے ہیں۔ (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین وہ آدمی ہوگا جو مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجتا تھا۔ (۲)

لہٰذا درود شریف کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس سے بھی سالک کو درجات قرب نصیب ہوتے ہیں۔

دعاؤں کا اہتمام:

کوئی بھی کام ہو، چاہے دنیا کا یا دین کا، بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کے نہیں

(۱) مسلم: ۵۷۷، ترمذی: ۵۳۴۷، نسائی: ۱۷۱، ابوداؤد: ۴۳۹، احمد: ۶۲۸۰

(۲) ترمذی: ۴۴۶، قال حدیث حسن غریب (۳) ترمذی: ۳۲۹۳

ہوسکتا؛ اس لیے سالک کو اس راستہ کے طے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے، اور دیگر ضروریات وحاجات کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے دعا کی بڑی اہمیت وضرورت وفضیلت ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ" اَلدُّعاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ " (۱)

(دعا عبادت کا مغز ہے)

ایک حدیث میں دعا کو رحمت کی کُنجی فرمایا گیا ہے اور ایک حدیث میں مومن کا ہتھیار فرمایا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اشرف العبادۃ دعا ہے۔ نیز فرمایا گیا کہ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا۔ اللہ اس پر غصہ ہوتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ کہتا ہے۔ اے رب! اے رب! تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ اے میرے بندے! حاضر ہوں۔ مانگ، عطا کیا جائے گا۔ (۲)

غرض دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، اور خاص طور پر جو دعائیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، وہ چونکہ اللہ کے نزدیک مقبول بھی ہیں اور جامع ومکمل بھی ہیں اس لیے ان دعاؤں کو پڑھنے کا اہتمام کیا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ آپ نے ایسی ایسی باتوں کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے۔ کہ کسی انسان کا ذہن ان باتوں کی طرف نہیں جاتا، پھر یہ دعائیں، نبی کریم ﷺ کا بلا واسطہ اللہ تعالے سے کلام ہے جس طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا آپ سے کلام ہے۔ لہٰذا اس کے مقبول ہونے اور مؤثر ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟

حضرت تھانویؒ کی ''مناجاتِ مقبول'' یا ملا علی قاریؒ کی ''الحزب الاعظم'' جو آپ کی مستند دعاؤں کے مجموعے ہیں۔ ان کی روزانہ ایک ایک منزل کا معمول بنالیا جائے۔ اور پوری منزل مشکل ہوتو کچھ دعائیں ہی دھیان سے پڑھ لیا کرے۔

(۱) ترمذی: ۳۲۹۳ (۲) یہ احادیث کنز العمال: ۲/۲۸ تا ۲۹ پر ہیں

نفلی روزوں کا اہتمام:

رمضان کے روزوں کے علاوہ نفل روزوں کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، جس سے خواہشات نفسانی کو قابو میں رکھنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ سلوک کے لیے لازم ہے، خصوصاً ایام بیض (یعنی ہر ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) کے روزے کہ ان کی فضیلت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ماہ کے تین روزے، پوری زندگی روزہ رکھنے کی طرح ہے۔ (۱)

اللہ کے راستہ میں صدقہ:

وقتاً فوقتاً اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات بھی کیا کرے، اس سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

اَ لسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ ، قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ ،قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ ، بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ ، قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ. (۲)

(ترجمہ: سخی، اللہ سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل، اللہ سے دور، لوگوں سے دور، جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے۔ اور جاہل سخی اللہ کے نزدیک بخیل عابد سے محبوب ہے۔)

ایک حدیث میں ہے کہ سخاوت، اللہ عظمتوں والے کی صفت ہے۔ (۳)

الغرض سالک کو سخاوت کا عادی ہونا چاہئے یہ اللہ کے خاص بندوں کی صفت ہے۔

مراقبہ ومحاسبہ:

روزانہ سونے سے پہلے، مراقبہ کرے: مراقبہ بہت سے امور کا ہوتا ہے: مثلاً

(۱) بخاری: ۱۹۷۹، مسلم: ۱۹۷۳ نسائی: ۲۳۵، ابوداؤد: ۲۰۷۲، احمد: ۶۴۷۱ (۲) کنز العمال: ۲۴ ۱۵۹ (۳) کنز: ۱۵۹۲۲ (۴) ترمذی: ۲۴۴۰، احمد: ۲۵۳۷

اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کا، جیسے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو نبی کریم ﷺ نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا خیال کرو، تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔(۱)

اور موت کا مراقبہ کہ میں مرجاؤں گا؛ لوگ مجھ کو دفن کردیں گے۔ قبر میں سوال ہوگا منکر نکیر کا سامنا ہوگا۔ وغیرہ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فرمایا تھا کہ اپنے آپ کو قبر والوں میں سے سمجھو۔(۲)

اس طرح کچھ دیر روزانہ مراقبہ کیا کرے، اس سے اپنے حالات کو درست کرنے میں مدد ملے گی۔

اسی طرح سونے سے قبل محاسبہ کرے یعنی دن بھر کے اپنے اعمال وعباداتِ کا نیکیوں اور برائیوں کا جائزہ لے، اور نیکیوں پر اللہ کا شکر ادا کرے اور مزید کی توفیق کا سوال کرے اور برائیوں پر توبہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کے لیے بھی توفیق کا سوال کرے۔

هذا ما اردت ایرادهٗ فی هذا المقام بتوفیق اللّٰه العلام

واللهَ ارجوا نْ یوفقنی وایاکم للخیر الهادی الی دارالسلام

تمت

(۱) ترمذی:۲۴۴۰، احمد:۲۵۳۷ (۲) ترمذی:۲۲۵۵، ابن ماجہ:۴۱۰۴، احمد:۴۷۶۰